ISSN: 2321-8339

جولائی۔ستمبر ۲۰۱۸ء

ادارہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

علماء امت - وارثین انبیاء
سید جلال الدین عمری

ذبیحہ سے متعلق اسلامی ہدایات
ڈاکٹر سید باچا آغا

اسلام اور ماحولیات کا تحفظ
مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

علوم اسلامیہ میں خواتین کی خدمات
ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

مولانا مودودیؒ اور علوم کی اسلامی تدوین
جناب مجتبیٰ فاروق

شیخ محمد علی صابونیؒ اور ان کی تفسیر صفوۃ التفاسیر
جناب نور ولی شاہ

تعارف وتبصرہ

ڈاکٹر محمد رفعت (مدیر 'زندگی نو') کی

3 نئی کتابیں

دعوت اور جہاد عصر حاضر کے تناظر میں

دعوتِ دین کی ضرورت واہمیت، اس کے نکات اور طریقۂ کار، مخاطبین کی نفسیات اور دعوتِ حق کو قبول نہ کرنے کے اسباب، عصر حاضر کے مزاج اور اسلوبِ دعوت اور معاصر دنیا میں دعوت کے محاذ پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے اور آخر میں اس سے بحث ہوئی ہے کہ اس راہ میں جہاد کی ضرورت کب پیش آتی ہے؟ اور اس کے کیا شرائط، آداب اور حدود ہیں؟

• سائز: $\frac{23\times 36}{16}$ • صفحات: 160 • قیمت: 100.00

امت مسلمہ کا نظام اجتماعی

اجتماعیت کی ضرورت واہمیت کو بیان کرکے یہ واضح کیا گیا ہے کہ دین انفرادی ذمے داری کے ساتھ اجتماعی سرگرمیوں کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ یہ کتاب امت میں اجتماعی شعور بیدار کرنے اور دین کے اجتماعی تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے میں معاون ثابت ہوگی۔

• سائز: $\frac{23\times 36}{16}$ • صفحات: 120 • قیمت: 80.00

علم وتحقیق کا اسلامی تناظر

اس میں عالمی سطح پر رونما ہونے والی فکری تبدیلیوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور مغربی ماحول میں پروان چڑھنے والی سائنس پر نقد کیا گیا ہے۔ اسلام کے تصورِ علم کی وضاحت اور موجودہ دور کے علوم کی بنیادی اسلامی قدروں کی روشنی میں تشکیلِ نو کی ضرورت کا اظہار کیا گیا ہے۔

• سائز: $\frac{23\times 36}{16}$ • صفحات: 135 • قیمت: 80.00

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Phone: 26981652, 26984347 Mob: 7290092401
E-mail: info@mmipublishers.net, mmipublishers@gmail.com **Website:** www.mmipublishers.net

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

جولائی ——————ستمبر ۲۰۱۸ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ — ۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ

جلد: ۳۷ شمارہ: ۳

شوال ـــــــ ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ

جولائی ـــــــ ستمبر ۲۰۱۸ء

- مجلہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر لوڈ کردیے گئے ہیں۔
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات صرف tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:

موبائل: 09897746586

ای میل: idaratahqeeq2016@gmail.com

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۵۰ روپے
سالانہ	۲۰۰ روپے
پانچ سال کے لیے	۸۰۰ روپے
سالانہ (لائبریریاں وادارے)	۳۰۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی)	۲۵/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۰/امریکی ڈالر

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی)	۳۰/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۵/امریکی ڈالر

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی-۶ سے چھپوا کر

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

علماء امت - وارثین انبیاء	سید جلال الدین عمری	۵

تحقیق و تنقید

ذبیحہ سے متعلق اسلامی ہدایات	ڈاکٹر سید باچا آغا	۱۳
اسلام اور ماحولیات کا تحفظ	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۲۹

بحث و نظر

علوم اسلامیہ میں خواتین کی خدمات	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۴۹
مولانا مودودیؒ اور علوم کی اسلامی تدوین	جناب مجتبیٰ فاروق (ایم اے)	۷۳

سیر و سوانح

شیخ محمد علی صابونیؒ اور ان کی تفسیر صفوۃ التفاسیر	جناب نور ولی شاہ	۹۹

تعارف و تبصرہ

آسان ترجمہ و تفسیر قرآن مجید	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱۱۳
حدیثِ نبوی اور سائنسی علوم	" " "	۱۱۴
اسلامی منہاجیات: ادب، تعبیر، تحقیق	جناب نوشاد منظر	۱۱۶
خبر نامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۶۸)		۱۱۹
مضامین کا انگریزی خلاصہ		۱۲۱—۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ ڈاکٹر سید باچا آغا
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ، بلوچستان (پاکستان)
agha211179@gmail.com

۲۔ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی
شیخ الحدیث، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ
wmqasmi@gmail.com

۳۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی
سکریٹری تصنیفی اکیڈمی جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی
mrnadvi@gmail.com

۴۔ جناب مجتبیٰ فاروق (ایم اے)
رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ
mujtabafar@gmail.com

۵۔ جناب نور ولی شاہ
استاد جامعۃ الرشید، کراچی (پاکستان)
noorwalishahbanuri@gmail.com

۶۔ جناب نوشاد منظر
ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی
naushad.manzar@gmail.com

۷۔ سید جلال الدین عمری
صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

حرف آغاز

علماءِ امت — وارثینِ انبیاء

سید جلال الدین عمری

مئی ۲۰۱۸ء کے پہلے ہفتے میں مولانا سید جلال الدین عمری، امیر جماعت اسلامی ہند نے جناب نصرت علی، نائب امیر جماعت کے ساتھ کیرلا کی راجدھانی تریوندرم کا سفر کیا۔ ۵ر مئی کو تریوندرم میں پریس کانفرنس ہوئی، جسے ملیالم اور انگلش میڈیا نے کافی کوریج دیا۔ بعدِ مغرب خطابِ عام کا پروگرام تھا، جس میں امیر جماعت، جناب نصرت علی، نائب امیر جماعت اور امیر حلقہ نے خطاب کیا۔ حاضرین کے سوالات کے جوابات بھی دیے گئے۔ ۶ر مئی کو تریوندرم سے متصل ضلع کولم روانگی ہوئی۔ ضلع کولم میں مسلمانوں کی آبادی تیس فی صد ہے۔ یہاں معزّزینِ شہر کے ساتھ ملاقات اور تبادلۂ خیال رہا۔ ۷ر مئی کو علماء کانفرنس تھی۔ اس میں شرکت کرنے والے، مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کی تعداد کئی سو تھی۔ اس میں مولانا نے جو مضمون پڑھا تھا اسے یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ کچھ باتوں کی وضاحت زبانی بھی کی گئی تھی۔ آخر میں سوالات کے جوابات بھی دیے گئے تھے۔ (رضی الاسلام)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کو جنت سے اتار کر زمین پر بھیجا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں بھٹکنے نہیں دے گا، بلکہ تمھاری اور تمھاری نسل کی ہدایت کا بھی انتظام کرے گا۔ اس کے مطابق تمھاری حیاتِ ارضی ہوگی تو تم سرخ رُو اور کام یاب ہوگے اور جنت کا راستہ تمھارے لیے کھلا رہے گا، ورنہ تمھارا انجام برا ہوگا اور جہنم تمھارا ٹھکانہ

ہوگا:

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ. وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (البقرۃ: ۳۸۔۳۹)

اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔ اور جو اس کا انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ میں جائیں گے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

یہ سورۂ بقرہ کی آیات ہیں۔ سورۂ طٰہٰ میں یہی بات کسی قدر تفصیل سے بیان ہوئی ہے:

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ. وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ. قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا. قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ. وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِن بِآيَاتِ رَبِّهِ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ (طٰہٰ: ۱۲۳۔۱۲۷)

اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے تو جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا۔ اور جو میرے ذکر سے منھ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں ضیق کی زندگی ہوگی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا: پروردگار! دنیا میں تو میں آنکھوں والا تھا، یہاں مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اسی طرح ہماری آیات کو، جب کہ تیرے پاس آئی تھیں، تو نے بھلا دیا تھا۔ اس طرح آج تو بھلایا جا رہا ہے۔ اس طرح ہم بدلہ دیں گے حد سے گزرنے والوں اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لانے والوں کو اور آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے۔

آدم و حوا کی اولاد پوری نسلِ انسانی ہے۔ اس کے لیے تا قیامت یہ ایک کلّی اور ناقابلِ تغیر قانون تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت و راہ نمائی کے لیے ہر دور میں اپنے

رسول بھیجے، کتابیں نازل کیں اور انسانوں کو دنیا و آخرت کے انجام سے آگاہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے اس کے لیے عقلی، فطری، تاریخی، ہر طرح کے دلائل دیے۔ ان کے مخاطب ان کی تردید نہ کرسکے، اس طرح انھیں اپنے مخاطبین پر علمی برتری حاصل رہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم شرک، ستارہ پرستی اور بت پرستی میں مبتلا تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کی کم زوری واضح کی اور توحید کا صاف ستھرا اور بے آمیز عقیدہ دلائل کے ساتھ اس طرح پیش کیا کہ آپ کے مخاطب اس میدان میں اپنی شکست تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔ قرآن مجید نے حضرت ابراہیمؑ کی اس علمی برتری کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

وَتِلْکَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ (الانعام: ۸۳)

یہ تھی ہماری وہ حجت جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابلے میں عطا کی۔ ہم جسے چاہتے ہیں بلند مرتبے عطا کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ تمہارا رب نہایت دانا اور علیم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو علم و حکمت کے بلند درجات عطا کیے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علم اور دینی بصیرت ہی سے آدمی کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ اس سے علماء دین کے برتر مقام کا ثبوت ملتا ہے۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسولوں نے دعوتِ حق کا جو فرض انجام دیا وہی فرض ان کے صالح جانشینوں نے بھی ادا کیا۔ سورۂ سجدہ میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو کتاب (تورات) عطا کی۔ اس میں بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا سامان تھا۔ اس کے بعد فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَ کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ (السجدۃ: ۲۴)

اور ہم نے ان میں ایسے پیشوا پیدا کیے جو ہمارے حکم سے راہ نمائی کرتے تھے جب انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں جو امام اور راہ نما پیدا کیے ان کے بارے میں کہا

گیا کہ وہ انسانوں کی راہ نمائی کا فرض ہماری ہدایت کے تحت انجام دیتے تھے اور ہمارے احکام کے پابند تھے۔ ان کے دو اوصاف بیان ہوئے ہیں: ایک یہ کہ ان کے اندر صبر و ثبات تھا، مشکلات کے باوجود انھوں نے استقامت کا ثبوت دیا، اپنے موقف پر جمے رہے۔ ان کا دوسرا وصف ایمان تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور اس کی ہدایت و راہ نمائی پر انھیں کامل یقین تھا۔ ان اوصاف کی وجہ سے وہ پیغمبروں کی نیابت کا فرض ادا کر پائے۔

بنی اسرائیل میں فساد اور بگاڑ کے باوجود ان کے اندر ایک حق پرست گروہ بھی رہا۔ اس کے متعلق کہا گیا:

وَمِن قَوْمِ مُوسَى أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ (الاعراف:۱۵۹)

قوم موسیٰ میں ایک ایسا گروہ بھی تھا جو حق کے مطابق لوگوں کی راہ نمائی کرتا اور حق ہی کے مطابق فیصلہ کرتا۔

بگڑی ہوئی قوم میں حاملینِ دین بھی تھے، جو حق و انصاف کے علم بردار تھے۔ وہ راہِ حق واضح کرتے اور جب فیصلہ کرتے تو حق کے مطابق فیصلہ کرتے۔

یہ اس بات کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول حق و صداقت کے اظہار و اعلان کا جو فرض انجام دیتے ہیں ان کے سچے جانشین بھی اسی فرض کی ادائیگی کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے اندر وہ اعلیٰ اوصاف ہوتے ہیں جو قوموں کی راہ نمائی کے لیے لازمی ہیں۔

اس امت کے علماء بھی پیغمبروں کے جانشین ہیں۔ انھیں بھی دنیا کی امامت و قیادت کا یہی فرض انجام دینا ہے۔

مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی میں حضرت ابو درداءؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إنّ العلماء ورثة الأنبياء ، و إنّ الأنبياء لم يورّثوا ديناراً و لا درهماً، و إنّما ورثوا العلم ، فمن أخذه أخذ بحظٍّ وافرٍ (مشکوٰۃ، کتاب العلم)

بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء دینار و درہم کی وراثت نہیں چھوڑتے ، وہ تو علم کی وراثت چھوڑتے ہیں۔ جس نے اسے حاصل کیا اس نے بڑا حصہ پالیا۔

علماء امت، نبوت یا فکرِ نبوت کے وارث ہوتے ہیں۔ یہی ان کا امتیاز ہے۔
اس علم کے ذریعہ وہ حق و باطل اور درست و نادرست کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ یہی علم انھیں حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت کے لیے صف آرا کرتا ہے اور ان کے اندر اس راہ کی مشکلات کو صبر کے ساتھ برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ یہی وہ علم ہے جو دنیا کے درہم و دینار سے زیادہ گراں بہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک منصبی ذمہ داری 'تبیینِ کتاب اللہ' ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ (النحل: ۴۴)

اور ہم نے یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے، تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس ہدایت کی تشریح و توضیح کرو جو ان کے لیے اتاری گئی ہے اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں۔

تبیینِ کتاب اللہ کے معنیٰ ہیں اللہ کے نازل کردہ دین کی توضیح و تشریح کرنا۔ اس کے وسیع تقاضے ہیں۔ اس میں الحاد اور شرک کی تردید، توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات بھی ہے اور یہ بھی کہ ان کی حقّانیت دلائل سے ثابت کی جائے، احکامِ شریعت کی حکمت و معنویت واضح کی جائے، اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو تسلیم کرنے کے خوش گوار انجام اور اس کے انکار کے نتائجِ بد سے آگاہ کیا جائے۔ یہ عمل اس طرح انجام پائے کہ مخاطب سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ اسلام کے سلسلے میں اسے کیا رویّہ اختیار کرنا چاہیے۔

تبیینِ کتاب کی یہی خدمت علماء کرام کو اس طرح انجام دینی ہوگی کہ دنیا کے سامنے اسلام روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے اور وہ اس کے متعلق سوچنے اور اپنا رویّہ متعین کرنے کے موقف میں ہو جائیں۔ یہی بات 'لَعَلَّهُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ' (شاید وہ اس پر غور کریں) میں کہی گئی ہے۔ اس کے لیے موجودہ دور کے فکری رجحانات اور اسلام کے بارے میں اس کے رویے سے واقفیت ضروری ہے۔ اسلام کے اساسات ہی اس وقت تنقید کی زد میں نہیں ہیں، بلکہ اس کی تعلیمات پر ہر طرح کے حملے ہو رہے ہیں۔ کہا جاتا

رہے کہ اسلام جہادی مذہب ہے، وہ دہشت گردی اور خوں ریزی پر آمادہ کرتا ہے، اس کے ہاں انسان کے حقوق کا احترام نہیں پایا جاتا، عورت اور مرد کے درمیان مساوات نہیں ہے، جہاں تک اس کے حدود و تعزیرات کا تعلق ہے انہیں سخت تنقید کا ہدف بنایا جارہا ہے ۔ اس طرح اسلامی تعلیمات پر ہر رخ سے اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ یوں کہنا چاہیے کہ پورا دین ہی زیرِ بحث ہے۔اس کے جواب میں اسلام کے عادلانہ اور مبنی بر انصاف موقف کی وضاحت آج کے علماء کی ذمہ داری ہے۔رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کہتے تھے: ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَـٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ۔ یونس:۱۵ (اس قرآن کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن پیش کرو، یا اس میں تبدیلی کرو۔)

چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔ آج بھی مخالفین کا ذہن یہی ہے کہ قرآن کا فکر و فلسفہ ناقابلِ قبول ہے۔ کوئی دوسرا تصوّرِ حیات سامنے آئے ، یا اس میں اس طرح تبدیلی کردی جائے کہ وہ دورِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو تو اس پر گفتگو ہوسکتی ہے۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ علم تقسیم ہوگیا ہے۔جدید تعلیم یافتہ اصحاب کو دین کی مطلوبہ واقفیت نہیں ہے۔وہ اسلام کی صحیح ترجمانی نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف دینی مدارس کے فارغین ہیں ،جو جدید افکار اور رجحانات سے پوری طرح باخبر نہیں ہیں۔موجودہ دور کے سوالات کا جواب دینا ان کے لیے آسان نہیں ہے۔ حالاں کہ اسلام کی تاریخ میں دینی اور دنیاوی علوم کی اس طرح تفریق نہیں رہی۔ ہمارے ایمۂ دین وقت کے افکار اور فلسفہ و منطق سے پوری طرح واقف تھے اور اسلام کی روشنی میں اس کا جواب دے سکتے تھے۔غزالیؒ، ابن تیمیہؒ، ابن رشدؒ، رازیؒ اور متاخرین میں شاہ ولی اللہؒ اس کی مثال ہیں ۔انہوں نے اس وقت کے یونانی فکر و فلسفہ کی خامیاں واضح کیں، اس نے اسلامی عقائد سے متعلق جو سوالات کھڑے کیے تھے ان کا ان ہی کی زبان میں جواب دیا۔اس طرح ایک نیا علم کلام وجود میں آیا۔

اس میں شک نہیں کہ دورِ حاضر میں ایسے اصحابِ علم ہیں جن کی جدید فکر و فلسفہ پر بھی نظر ہے اور جو اس کے اٹھائے ہوئے سوالات کا جواب بھی دے رہے ہیں۔ ان سب سے بغیر کسی تعصّب اور تحزّب کے استفادے کی کوشش ہونی چاہیے۔ جماعت اسلامی ہند نے دورِ جدید کے موضوعات پر قابلِ قدر لٹریچر تیار کیا ہے۔ اس میں موجودہ فکر و فلسفہ کی خامیاں واضح کی گئی ہیں اور ان کے مقابلے میں اسلام کا نقطۂ نظر دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ درخواست ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ یہ ہماری اپنی ضرورت ہے۔

جماعت کا زیادہ تر لٹریچر اردو زبان میں ہے، لیکن ہندی اور انگریزی میں اس کا اچھا خاصا حصہ منتقل ہو چکا ہے۔ جماعتی حلقوں نے علاقائی زبانوں میں ترجمہ اور تصنیف و تالیف کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اس معاملہ میں ملیالم زبان کافی آگے ہے۔ اس میں کیرلا کی جماعت نے وسیع پیمانے پر اسلامی لٹریچر فراہم کیا ہے۔ اس سے آپ حضرات شاید آسانی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

خوشی اس بات کی ہے کہ جماعت اسلامی ہند (کیرلا) کی دعوت پر علماء کرام اتنی بڑی تعداد میں اس اجلاس میں شریک ہیں۔ اس میں حنفی، شافعی، سلفی، ہر مسلک کے علماء ہیں اور ملک کے مختلف اداروں سے انہوں نے سند حاصل کی ہے۔ یہ سب مل کر ایک متحدہ فورم کی تشکیل پر آمادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کوششوں کو قبول فرمائے اور ہم سب ایک ہو کر اللہ کے دین کے فروغ اور سربلندی کے لیے سرگرم ہو جائیں۔

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الٰہی صاحب، A-27، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (O)7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار

(مقالات سمینار)

مرتبین: ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی رمولانا محمد جرجیس کریمی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ کی جانب سے منعقدہ سمینار مؤرخہ ۲۳۔ ۲۴ر فروری ۲۰۱۴ء کے مقالات کا مجموعہ، جس میں تحریک اسلامی ہند کے اکابر اور قائدین کے خطبات کے علاوہ ملک کے ممتاز مفکرین اور دانش وروں کے کل چھتیس (۳۶) مقالات شامل ہیں۔ ان مقالات میں تہذیب وسیاست کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے، جن میں مغربی اور اسلامی تہذیبوں کے اجزائے ترکیبی، ان کے درمیان موجود فرق و امتیازات، تہذیبوں کے تصادم کا موجودہ نظریہ، امت مسلمہ کی موجودہ تہذیبی و سیاسی صورت حال، قرآن مجید اور احادیث نبوی میں حکومت و سیاست کے تصورات، موجودہ طریقۂ انتخاب، پارلیمانی نظامِ حکومت، تکثیری معاشرے کے مسائل جیسے اہم مباحث اور معروف علمائے سلف اور جدید مفکرین کی وقیع کتب کے تجزیاتی مطالعے پیش کیے گئے ہیں۔

یہ ایک ایسی دستاویز ہے، جو قوم وملت کی علمی رہ نمائی اور موجودہ پیچیدہ حالات کے تقاضوں کے فہم و ادراک اور اس کی روشنی میں اپنے لائحۂ عمل کی تعیین میں ممدّ و معاون ثابت ہوگی۔

دیدہ زیب ٹائٹل، بہترین کاغذ اور معیاری طباعت

کل صفحات ۸۳۶، قیمت: ۶۰۰ روپے صرف

ملنے کے پتے

مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی، نبی نگر، جمال پور، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۰۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، D-307، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

تحقیق وتنقید

ذبیحہ سے متعلق اسلامی ہدایات

ــــــــــــــــ ڈاکٹر سید باچا آغا

اسلام نے دنیا کو بیش بہا عطیات دیے ہیں۔ ان میں سے ایک اس کا انتہائی لطیف، نفیس اور پاکیزہ 'قانونِ اکل وشرب' ہے۔ اس کی حساسیت کا اندازہ وہی شخص کرسکتا ہے جس کے سامنے قرآن وسنت کے احکام پوری طرح واضح ہوں۔ نفع بخش اشیاء اور پاکیزہ چیزوں کو حلال اور نقصان دہ اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیا گیا۔ یہ اصول بتایا گیا ہے کہ اشیاء میں اصل 'حلّت واباحت' ہے، سوائے ان چیزوں کے جن کے بارے میں شریعت سے نہی وارد ہو، یا مفاسد بالکل واضح ہوں۔ کھانے پینے اور پہننے کی جن چیزوں میں روح اور بدن کے لیے نفع ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے بندوں کے لیے حلال کیا ہے، تاکہ وہ ان کے ذریعہ اللہ کی اطاعت میں مدد حاصل کرسکیں۔ قرآن حکیم میں ایک جگہ انبیاء کو اور دوسری جگہ تمام اہل ایمان کو حلال چیزیں کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً إِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيْم (المومنون: ۵۱)
>
> (اے پیغمبر! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ یقیناً میں تمہارے اعمال سے خوب واقف ہوں۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

> يَاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الأَرْضِ حَلٰلاً طَيِّباً وَلاَ تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْن (البقرۃ: ۱۶۸)

(اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے حلال پاک چیزوں کو کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو، یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔)

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِن اللّٰہ طیّبٌ لا یقبل اِلا طیّباً، و اِنّ اللّٰہ تعالیٰ أمر المؤمنین بما أمر به المرسلین، فقال: یَاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً۔ [۱]

(بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ وہ پاک کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اسی چیز کا حکم فرمایا ہے جس کا حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے۔ فرمایا: (اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت پڑھی) اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔)

اس حدیث کی تشریح میں علماء کرام نے لکھا ہے کہ کوئی بھی عمل بارگاہِ الٰہی میں اسی وقت قبول ہوتا ہے جب حلال روزی کھائی جائے، جب کہ حرام کھانے سے اعمال فاسد ہوجاتے ہیں اور قبولیت سے محروم ہوجاتے ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ ہر غذا کی تاثیر ہوتی ہے۔ حلال غذا کھانے سے اعمال صالحہ کی توفیق ملتی ہے، جب کہ حرام کھانے سے نیک اعمال کی توفیق سلب ہوجاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں حرام کھانے کی سخت وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اِن العبدَ لیقذفُ اللقمةَ الحرامَ فی جوفه ما یتقبّل منه عمل أربعین یوماً۔ [۲]

(بندہ حرام لقمہ پیٹ میں ڈالتا ہے تو چالیس دن تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الاِستحیاء من اللّٰہ حقّ الحیاءِ أن تحفظَ البطنَ وما حوی۔ [۳]

(اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا مطلب یہ ہے ۔۔۔ کہ پیٹ اور جو کچھ

اس میں ہو، یعنی غذا، اس کی حفاظت کرے۔)

ذکاۃ (ذبح کرنا)

ذکوۃ کا مطلب ہے خشکی کے اس جانور کو ذبح یا نحر کرنا جس کا گوشت کھایا جاتا ہو، اس طرح کہ اس کے حلق اور شہ رگ اور گردن کی دونوں رگوں یا ان میں سے ایک کو کاٹ دیا جائے، یا اس کے ساتھ کونچیں بھی کاٹ دی جائیں، اگر اونٹ بدک کر بھاگنے والا ہو۔

ذبح کے درست ہونے کے لیے درج ذیل چیزیں ضروری ہیں:

۱۔ ذبح کرنے والا ذبح کرنے کا اہل ہو، یعنی وہ عاقل ہو، مسلمان یا اہل کتاب ہو، خواہ مرد ہو یا عورت، لہٰذا اس شخص کا ذبح کرنا جائز نہیں جو نشے کی حالت میں ہو، یا پاگل ہو، یا کافر ہو (یعنی کافر غیر کتابی)۔

۲۔ ہر دھار والی چیز سے، جس سے خون بہانا ممکن ہو، ذبح کرنا درست ہے، البتہ دانت اور ناخن سے ذبح کرنا جائز نہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

ما أنهر الدّم و ذكر اسم الله فكُل، ليس السنّ و الظفر۔ [۴]

(جو چیز بھی خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اسے کھا لو، لیکن وہ دانت اور ناخن نہ ہو۔)

۳۔ گردن کی دونوں رگوں یا ان میں سے کسی ایک کو کاٹ کر خون بہانا ضروری ہے اور ذبح کا عمل اس وقت ہوگا جب ان دونوں رگوں کو حلقوم یا شہ رگ کے ساتھ کاٹ دیا جائے۔ یعنی گلا کاٹنا ہے، گلے سے مراد سانس اور کھانے کی رگیں ہیں۔ اس سلسلہ میں اصل یہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

نهى رسول الله ﷺ عن شريطة الشيطان ،وهى التى تذبح فيقطع الجلد و لا تفرى الأوداج۔ [۵]

(رسول اللہ ﷺ نے شیطان کے نشتر سے منع فرمایا ہے۔ اس سے مراد وہ نشتر ہے جو ذبح کے وقت جلد کو تو کاٹ دے، لیکن گردن کی رگوں کو نہ

کاٹے۔)

ذبح کرنے کی جگہ حلق اور لبہّ ہے۔لبہّ سے مراد وہ گڑھا ہے جو گردن کی جڑ اور سینے کے درمیان ہوتا ہے۔اس کے علاوہ کسی اور جگہ سے ذبح کرنا جائز نہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بدیل بن ورقاء الخزاعی کو ایک خاکستری رنگ کے اونٹ پر بھیجا کہ منیٰ کی وادیوں میں یہ اعلان کردیں:

الا إنَّ الزکاةَ في الحلق واللبّة۔[6]

(جس جگہ سے جانور ذبح کرنا ہے وہ حلق اور لبہّ (گردن اور سینے کے درمیان کا گڑھا) ہے۔)

جانور کو ذبح کرتے وقت چار نالیوں کو کاٹنا ضروری ہے۔(۱) نرخرہ یعنی سانس کی نلی Trachea or wind pipe (۲) غذائی نلی، یعنی حلقوم Esophagus (۳) دل کی طرف سے آنے والی صاف خون کی شہ رگ Carotid artery (۴) دل کی طرف سے جانے والی گندے خون کی شریان Jugular vein ۔ جانور کو تیز دھاروالے اوزار سے بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتے ہیں۔اس طرح گلے کی تمام رگیں کاٹ دیتے ہیں، مگر سر کو دھڑ سے الگ نہیں کرتے اور ریڑھ کی ہڈی کو نقصان نہیں پہچانتے، یعنی حرام مغز Spinal cord کو نہیں کاٹتے، جس سے دل کچھ دیر تک دھڑکتا رہتا ہے اور اس طرح جسم کا تمام خون باہر نکل جاتا ہے۔اگر یہ کٹ گیا تو دل کو جانے والا عصب Nerve Fiber کٹ جائے گا۔اس طرح دل کی حرکت فوراً بند ہوسکتی ہے، جس سے جسم کے اندر خون کی نالیوں میں خون جم جائے گا، جو صحیح نہیں ہے۔ اس طرح ذبح کرنے سے جانور کی تمام مخصوص رگیں کٹ جاتی ہے، جس سے تکلیف کا احساس کم ہوجاتا ہے اور اعصاب کی طرف خون کی روانی ختم ہونے کی وجہ سے تکلیف میں کمی ہوجاتی ہے۔ ذبح کے بعد جانور کا تڑپنا تکلیف کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ خون تیزی سے نکلنے کی وجہ سے اس کا جسم اچھلتا ہے، گوشت کے سکڑنے اور پھیلنے کی وجہ سے وہ ایسا کرتا ہے۔ بڑے جانوروں میں یہ عمل دھیرے دھیرے شروع ہوتا ہے اور دیر تک قائم

رہتا ہے، جب کہ چھوٹے جانوروں میں یہ عمل جلد شروع ہوکر جلد ختم ہوجاتا ہے۔

جانوروں کو ذبح کرنے کے چار طریقے ہیں: (۱) جھٹکا (سکھ) (۲) کوشر (یہودی) (۳) ماڈرن طریقہ Stunning method یعنی عارضی طور پر بے ہوش کیا جائے (۴) شرعی حلال طریقہ۔ ان چاروں طریقوں میں اسلامی طریقہ سائنٹفک طور سے بہترین مانا گیا ہے، کیوں کہ اس سے کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں: (۱) جسم کا سارا خون باہر نکل جاتا ہے اور جانور کو تکلیف کم محسوس ہوتی ہے۔ (۲) خون نکل جانے سے اس کے ساتھ جراثیم باہر نکل جاتے ہیں، کیوں کہ خون جراثیم کے لیے ایک اچھا واسطہ ہوتا ہے۔ (۳) خون نکل جانے سے گوشت زیادہ دیر تک محفوظ رہتا ہے۔ (۴) خون کے ساتھ دیگر زہریلے اور فاسد مادے (Toxins) بھی باہر نکل جاتے ہیں۔ سائنس دانوں کی تحقیقات نے ثابت کردیا ہے کہ اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا گوشت صحت کے لیے مفید ہے۔

۴۔ ذبح کرتے وقت آدمی بسم اللہ کہے۔ اگر وہ بھول گیا ہوتو اس کے ذبیحے کا گوشت کھانا جائز ہے، لیکن اگر اس نے جان بوجھ کر بسم اللہ کہنا چھوڑ دیا ہوتو اس کا کھانا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لاَتَاکُلُوا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَ اِنَّہٗ لَفِسْقٌ۔ (الانعام:۱۲۱)

(اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے۔)

نیز فرمایا:

فَکُلُوا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔ (الانعام: ۱۱۸)

(جس چیز پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے تو اسے کھالیا کرو۔)

سعید بن منصورؒ نے اپنی سنن میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے:

ذبیحۃُ المسلم حلالٌ وان لم یُسَمّ اذا لم یتعمّد۔ ؎

(مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے، خواہ وہ اللہ کا نام نہ لے، بشرطے کہ اس نے جان بوجھ کر اسے ترک نہ کیا ہو۔)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مسلمان نے قصداً جان بوجھ کر بسم اللہ پڑھنا

ترک کیا تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

وإن ترک الذابحُ التسمیۃَ عمداً فالذبیحۃ میتۃ لا تؤکل۔ ۸؎

(اگر ذبح کرنے والے نے جان بوجھ کر بسم اللہ پڑھنا ترک کیا تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں۔ اسے نہ کھایا جائے۔)

اور ردّ المحتار میں ہے:

لا تحلّ ذبیحۃُ من تعمّد ترکَ التسمیۃِ، مسلماً کان أو کتابیاً ۹؎

(جس نے جان بوجھ کر بسم اللہ پڑھنا ترک کیا اس کا ذبیحہ حلال نہیں، چاہے وہ مسلمان ہو یا کتابی۔)

یوں تو اصل مقصود جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہے، خواہ کسی بھی طریقہ پر نام لیا جائے، لیکن افضل طریقہ یہ ہے کہ 'بسم اللہ، اللہ اکبر' کہا جائے۔ ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لینے کا یہ حکم ایمان وعقیدہ کے پہلو سے ہے۔ کیوں کہ دنیا کی مشرک قومیں ذبح اور قربانی کو مشرکانہ طریقے سے انجام دیتی آئی ہیں۔ لوگ جانوروں کو دیویوں اور دیوتاؤں کے نام پر چھوڑتے تھے، تہواروں میں ان کے نام سے قربانی کیا کرتے تھے، آستانوں اور بتوں کی عبادت گاہوں پر جانوروں کے نذرانے پیش کیا کرتے تھے اور کھانے کے لیے بھی غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے۔ گویا ذبح وقربانی کو وہ اپنے مشرکانہ عقائد کے اظہار کا ذریعہ بناتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے ذہن میں عقیدۂ توحید کو راسخ کرنے اور انہیں مشرکانہ افکار سے بچانے کے لیے یہ تدبیر فرمائی کہ جن کاموں کو وہ شرک اور غیر اللہ کی تقدیس کے طور پر کرتے تھے، انہی کو توحید کے سانچے میں ڈھال دیا۔ قربانی دینا چوں کہ ایک فطری جذبہ ہے اور گوشت انسان کی ایک فطری غذا ہے، اس لیے آپؐ نے قربانی کے طریقہ کو باقی رکھا اور شرعی ذبیحہ کو حلال قرار دیا، لیکن ان کو شرک کے بجائے عقیدۂ توحید کا مظہر بنا دیا۔

۵۔ شکار حرم میں یا حالتِ احرام میں نہ کیا گیا ہو۔

اگر ان شرطوں میں سے ایک شرط بھی فوت ہو گئی تو ذبیحہ حلال نہ ہو گا۔

اسی طرح ہر وہ جانور جو گلا گھونٹنے سے مرا ہو، یا اس کا سر قلم کر دیا گیا ہو، یا اس کو بجلی کا جھٹکا دے کر مارا گیا ہو، یا گرم پانی میں ڈبو کر مارا گیا ہو، اس کا گوشت کھانا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلاَّ مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُواْ بِالأَزْلاَمِ ذَلِكُمْ فِسْقٌ (المائدۃ: ۳)

(تم پر حرام کیا گیا ہے مردار، خون، سور کا گوشت، وہ جانور جو خدا کے سوا کسی کے نام پر ذبح کیا گیا ہے، وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو، یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو، سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا، اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو، نیز یہ بھی تمہارے لیے ناجائز ہے کہ پانسوں کے ذریعہ سے اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ سب افعال فسق ہیں۔)

ذبیحہ کے سنن:

اللہ کے رسول ﷺ نے عملِ ذبح انجام دیتے وقت کئی چیزوں کی ہدایت فرمائی ہے:

۱۔ ذبح کرنے کا آلہ تیز ہو اور اسے قوت اور طاقت کے ساتھ چلایا جائے۔

حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الاِحسَانَ عَلَی کُلِّ شَیئٍ، فَاِذَا قَتَلتُم فَاَحسِنُوا القِتلَۃَ، وَاِذَا ذَبَحتُم فَاَحسِنُوا الذَّبحَ، وَلیُحِدَّ اَحَدُکُم شَفرَتَہُ، وَلیُرِح ذَبِیحَتَہُ۔ ۱۰

(بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ احسان کو لازم قرار دیا ہے، لہٰذا جب قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، چھری کو تیز کر لو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔)

۲۔جس جانور کو ذبح کرنا مقصود ہو اس کو آلۂ ذبح نہ دکھایا جائے، نیز اس کو دوسرے جانوروں سے چھپا کر ذبح کیا جائے۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اَمَرَ رسولُ اللّٰہِ بِحَدِّ الشفار، واَن توارىٰ عن البهائم۔۱۱؎

(رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ چھری کو تیز کر لیا جائے اور اسے جانوروں سے چھپایا جائے۔)

۳۔جانور کو قبلہ رخ لٹایا جائے۔رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے جب بھی کسی ذبیحہ کو ذبح فرمایا، یا ہدی (حج وعمرہ کی قربانی) کو نحر کیا تو اسے قبلہ رخ کر لیا۔ اونٹ کو نحر کے وقت کھڑا کر لیا جائے اور اس کے بائیں پاؤں کو باندھ لیا جائے اور بکری اور گائے وغیرہ کو بائیں پہلو پر لٹایا جائے۔

۴۔جانور کے ٹھنڈا ہونے، یعنی اس کی روح نکلنے کے بعد اس کی گردن توڑی اور کھال اتاری جائے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

ولاتعجلوا الأنفس حتىٰ تزهق۔۱۲؎

(جانوروں کے جسموں سے روحوں کے نکلنے سے پہلے (کھال اتارنے کی) جلدی نہ کرو۔)

جانور کو بجلی کا جھٹکا لگانا

ذبح کرنے سے پہلے جانور کو بجلی کا جھٹکا لگانا سنگین معاملہ ہے۔اس کی وجہ سے ذبح شدہ جانور کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں، کیوں کہ عام طور پر بجلی کے جھٹکوں سے جانور ذبح ہونے سے قبل ہی مر جاتا ہے۔ایسی صورت میں وہ مردار ہوگا، مرنے کے بعد گردن کاٹنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔اسی لیے 'اسلامی فقہی اکیڈمی' کی قراردادوں میں یہ کہا گیا ہے:

الف:اصل یہی ہے کہ جانور کو بے ہوش کیے بغیر ہی ذبح کیا جائے، کیوں کہ اسلامی شرائط وآداب کے مطابق جانور کو ذبح کرنا ہی جانور کے ساتھ رحمت اور احسان ہے، بلکہ اس طرح جانور کو کم سے کم تکلیف ہوتی ہے۔اس لیے مذبح خانوں کی انتظامیہ کو

بڑے جانور ذبح کرنے کے آلات میں مزید بہتری لانی چاہیے، تا کہ ذبح کرنے کا مقصد مکمل طور پر حاصل ہو۔

ب:اس پیرے کی شق (ا) میں ذکر شدہ چیزوں کا خیال رکھتے ہوئے یہ طے پایا ہے کہ بے ہوش کرنے کے بعد ذبح کیے جانے والے جانور شرعی طور پر حلال ہیں، بشرطے کہ ان میں تمام فنی شرائط پائی جائیں، جن سے یہ اطمینان حاصل ہو جائے کہ ذبح کرنے سے پہلے جانور کی موت واقع نہ ہوئی ہو۔ موجودہ حالات میں ماہرین نے درج ذیل امور کو لازمی قرار دیا ہے:

ا۔ برقی رَو کے منفی اور مثبت راڈ کو دائیں اور بائیں کنپٹی پر لگایا جائے ، یا پیشانی اور سر کی پچھلی جانب یعنی گدی پر لگایا جائے۔

۲۔ وولٹیج 100 سے 400 وولٹ کے درمیان ہو۔

۳۔ برقی رَو کی شدت (0.75 سے 1) ایمپییر تک بکری کے لیے اور (2 سے 2.5) ایمپییر تک گائے وغیرہ کے لیے ہو۔

۴۔ بجلی کا جھٹکا 3 سے 6 سیکنڈ تک دیا جائے۔

ج۔ جس جانور کو ذبح کرنا مقصود ہے اسے Captive Pistol Bolt (ایک پستول جس میں سے ایک لوہے کی نوک دار میخ نکل کر جانور کے دماغ میں لگتی ہے، جس سے وہ بے ہوش ہو جاتا ہے، چنانچہ تین سے چار منٹ تک اگر اسے ذبح نہ کیا جائے تو وہ مرتا ہے) کے ذریعے، یا دماغ پر کلہاڑی اور ہتھوڑی مار کر، یا گیس کے ذریعے بے ہوش کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر انگریز انہی ذرائع کو استعمال کر کے جانور کو بے ہوش کرتے ہیں۔

د۔ مرغیوں کو بجلی کے جھٹکوں سے بے ہوش کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ عینی مشاہدے میں آیا ہے کہ اس طرح کافی تعداد میں مرغیاں ذبح ہونے سے پہلے ہی مرجاتی ہیں۔

و۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ کو ہوا یا آکسیجن کے ساتھ ملا کر ، یا چپٹی گولی والی

پستول Non-penetrating bolt gun کو استعمال کر کے جانور کو بے ہوش کرنا اور پھر اسے ذبح کرنا۔ ایسے جانور کا گوشت حلال ہے، بشرطے کہ اس پستول کو بھی اس انداز سے استعمال کیا جائے جس سے جانور کی موت ذبح کرنے سے پہلے واقع نہ ہو۔ ۱۳؎

حلال وحرام کی نگہ داشت کے معاملے میں ریاست کی ذمہ داریاں

قرآن کریم کی آیات اور احادیثِ مقدّسہ سے جہاں ایک فرد کے لیے اکلِ حلال کی اہمیت وفرضیت کا پتہ چلتا ہے وہیں اسلام کی اولین اسلامی ریاست (ریاست نبوی) اور بعد کے ادوار کے نظم ونسق سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اسلامی ریاست کی منجملہ ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل ہے کہ لوگ حلال کمائیں اور حلال کھائیں۔ درحقیقت اسلامی ریاست ایک دینی ریاست ہے، اس مفہوم میں کہ وہ خالص دین کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے، دینی اہداف کی عَلَم بردار ہوتی ہے، دینی احکام پر عمل درآمد کی پابند ہوتی ہے، ایک ایسے قانون کے نفاذ کی مکلف ہوتی ہے جو دینی قواعد اور تعلیمات پر مبنی ہو۔ دنیا کی دوسری ریاستوں کے مقابلے میں اس کا امتیاز ہی یہ ہے کہ یہاں ریاست برائے قانون ہے، قانون برائے ریاست نہیں۔ دوسرے نظاموں اور دوسری ریاستوں کی تاریخ میں پہلے ریاست وجود میں آتی ہے، پھر ریاست کو بنانے اور چلانے کے لیے قانون کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن اسلامی ریاست میں قانون پہلے سے موجود ہے۔ اس قانون کو نافذ کرنے اور اس کے مطابق زندگی کے پورے نظام کو چلانے کے لیے ریاست درکار ہوتی ہے۔ گویا یہاں مقنّنہ کا اپنا کوئی قانون نہیں، بلکہ قانون حاکم اعلیٰ (اللہ سبحانہ) کا ہے، مقنّنہ کا کام بس اس کی تنفیذ اور اس پر عمل درآمد ہے۔ اہلِ ایمان کے اقتدار کے فرائض کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ (الحج:۴۱)

''اگر اہل ایمان کو ہم اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ کا نظام قائم کریں گے، شریعت کی معروفات کا حکم دیں گے اور منہیات اور منکرات کا سدِّ باب کریں گے''۔

اس آیت میں مذکور چار فرائض بہت عمومی نوعیت کے ہیں۔ ان میں وہ تمام فرائض اور ذمہ داریاں شامل ہیں جو اسلامی ریاست کو سر انجام دینی ہیں۔ ان کی صراحت اور وضاحت فقہائے اسلام نے کی ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اسلام کی دستوری اور فقہی تاریخ کے ہر دور میں اولو الامر کی خصوصیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ واضح کیا گیا ہے جو لوگ حکم رانی کے منصب پر فائز ہوں یا ریاست کے اداروں کو چلانے کے لیے مقرر ہوں ان کی خصوصیات اور اہلیت کیا ہونی چاہیے؟ وہ خصوصیات اور اہلیتیں انہی فرائض کی روشنی میں متعین کی جائیں گی۔ ظاہر ہے کہ اہلیت کا تعین فرائض کے تعین کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک شخص کا فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کی صحت کا خیال رکھے، ان کی بیماریوں کا علاج کرے تو اس کی اہلیت اور ہوگی، اگر اس کا فریضہ گھر کی چوکیداری کا ہے تو اس کی اہلیت کا تعین کسی اور انداز سے ہوگا۔ اس لیے اہلیت کے تعین میں ان چاروں فرائض کو، جو قرآن کریم کی اس آیت میں بیان ہوئے ہیں، ہمیشہ پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ ان چاروں فرائض میں سے مؤخر الذکر دو فرائض 'شریعت کی معروفات کا حکم اور منکرات کا سدِّ باب' اسلامی ریاست کے دو ایسے اہم فرائض ہیں جن میں شریعت کا 'نظامِ اکل و شُرب' بھی داخل ہے کہ اسلامی ریاست کے تحت افراد کو حلال میسر ہو اور وہ حرام سے بچے رہیں۔ اس کا اہتمام اور نگہ داشت اسلامی ریاست کی اہم ذمہ داریوں اور فرائض میں شامل ہے۔ ذبیحہ کے حوالے سے شریعت اسلامیہ نے واجبات، سنن، مستحبات اور مکروہات کی مستقل تعلیم دی ہے اور صرف خاص طریقہ پر ذبح شدہ جانور کو حلال قرار دیا ہے۔

ذبیحہ سے متعلق مسائل کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ سے کسی نے شکایت کی کہ مدینہ کے قصّاب جانور ٹھنڈا ہونے

سے پہلے اس کی کھال نکالنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ریاستی سطح پر سرکاری اعلان جاری کیا، جس میں لوگوں کی غلطی واضح کی اور شرعی طریقۂ ذبح کی نشان دہی بھی کی، تاکہ لوگ اس سے غفلت نہ برتیں۔ چنانچہ اعلان فرمایا:

الذكاة بين اللبة والحلق لمن قدر، ولا تعجلوا الأنفس حتى تزهق۔ [۱۴]

"اختیاری ذبح کا محل حلق اور لبہ ہے اور پوری طرح جان نکلنے سے پہلے (کھال اتارنے میں) جلدی نہ کرو"۔

حضرت عمرؓ کا اپنے دور خلافت میں بازاروں کا گشت کرنا اور دھوکہ کے ساتھ گندم فروخت کرنے والے تاجروں کے خلاف تادیبی کارروائی کرنا ریاستی نگہ داشت کی واضح مثال ہے۔

حلال کی نگرانی کرنے والے اداروں کی ضرورت

اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اسلام میں حلال وحرام کی کتنی اہمیت ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری ہے کہ حلال کا اہتمام کریں اور حرام سے بچیں۔ عصر حاضر میں مسلمانوں کو اس بارے میں اور زیادہ حساس رہنے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ فوڈ ٹیکنالوجی اور سائنس کی ترقی کے ساتھ ان سے بنی اشیاء (ماکولات، مشروبات، ادویات، کاسمیٹکس وغیرہ) پورے عالمِ اسلام میں اپنی جدید شکل میں پھیل چکی ہیں۔ ان کے بارے میں یہ اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ ان کو کس مادّے سے کس طرح تیار کیا گیا ہے؟ یہ لاعلمی بسا اوقات ایک اچھے خاصے دین دار مسلمان کو انجانے میں حرام میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر بعض مسلم اکثریتی ممالک اور بعض دیگر غیر مسلم اقلیتی ممالک میں سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر Halal Supervisory Centers کا قیام عمل میں آیا ہے، تاکہ حرام چیزوں سے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے حلال مصنوعات کی نشان دہی اور ان کی نگرانی کی خدمت

انجام دی جاسکے۔ مسلمانوں کی آبادی اس وقت دنیا میں ڈیڑھ ارب سے بڑھ گئی ہے۔اس آبادی پر مشتمل عالمی حلال مارکیٹ غیر متوقع طور پر بڑھ گئی ہے۔شروع میں کمپنیاں اپنی مصنوعات پر لفظ 'حلال' لکھا کرتی تھیں۔ چوں کہ ان اداروں میں سے اکثر غیر مسلموں کی ملکیت ہیں، اس لیے شرعاً اس خود ساختہ دعوے کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ حلال کی تصدیق ایک مسلمان کے لیے شہادت کے درجے میں ہے، جس کے لیے دیانت دار مسلمان ہی کا قول قابل اعتبار ہوگا۔ یہ امر خوش آئند ہے کہ دنیا میں حلال سرٹیفکیشن کے ادارے وجود میں آنے شروع ہو گئے ہیں اور رفتہ رفتہ حکومتی سطح پر بھی اس میدان میں دل چسپی دیکھنے کو مل رہی ہے، جو کہ ایک اسلامی ریاست کے فرائض میں شامل ہے۔ اس وقت مختلف ممالک میں حکومت کی نگرانی میں حلال سرٹیفکیشن کا کام اسی دل چسپی کا مظہر ہے۔

کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا یا اس کی نشان دہی کرنا انتہائی حساس معاملہ ہے۔ قرآن وسنت میں اس حوالے سے واضح ہدایات موجود ہیں۔ اگر ایک طرف حلال کھانے کی ترغیب اور حرام سے بچنے کی تاکید ہے تو دوسری طرف اس بارے میں بھی اسلام کی تعلیمات کافی سخت اور غیر لچک دار ہیں کہ حلال وحرام کے مسئلہ میں عقل کو کوئی دخل نہیں، بلکہ شریعت نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے وہ حلال ہیں اور جن کو حرام کیا ہے وہ حرام ہیں۔ بہ ہر حال یہ ایک دو دھاری تلوار ہے جس میں ذرا سی بے احتیاطی سے بندہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی لعنت میں گرفتار ہوسکتا ہے۔ لہٰذا یہ بات ضروری ہے کہ حلال سرٹیفکیشن کرنے والے ادارے اور اس کے لیے معیارات بنانے والے سرکاری محکمے اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ اس معاملہ میں حتمی فیصلے سے پہلے مستند مفتیان کرام کی طرف رجوع کریں اور علماء شریعت اور غذائی ماہرین ہی کی رائے کو ترجیح دیں۔ اس لیے کہ اس معاملہ کے اصل اسٹیک ہولڈرز وہی ہیں جن کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ حلال کے اس تصور کو، جو ایک اسلامی قدر کی حیثیت رکھتی ہے، پرکھیں، جس کی رو سے مصنوعات کی فنانسنگ، سورسنگ، پروسیسنگ، اسٹوریج اور مارکیٹنگ میں کوئی حرام عنصر شامل نہ ہو۔

غذا سے متعلق بعض دیگر مسائل

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے بے شمار چیزیں حلال کی ہیں، جب کہ دوسری طرف ان چیزوں کی فہرست ہے جن کو اس نے حرام قرار دیا ہے اور ان کے قریب جانے سے بھی منع کیا ہے۔ اگر گہرائی سے ان کا جائزہ لیا جائے تو اس کی چند بنیادیں نظر آتی ہیں:

پہلی چیز 'سُکر' ہے، یعنی وہ چیزیں جو نشہ پیدا کرنے والی ہیں۔ ان میں شراب کے ساتھ وہ تمام منشیات بھی شامل ہیں جو اس وقت انسانیت کی تباہی کا سبب بن رہی ہیں۔ دوسری چیز 'ضرر' ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کو اس لیے حرام کیا ہے کہ ان میں انسانی جسم یا اس کی روح کے لیے ضرر کا پہلو ہے۔ چنانچہ جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ خنزیر ہو یا بہنے والا خون، ان میں نہایت مہلک قسم کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر وہ چیز حرام کی گئی ہے جو 'خبیث' ہو، کیوں کہ انسانی زندگی کا امتیاز جسم وروح کی طہارت اور پاکیزگی میں رکھا گیا ہے اور 'خبیث' چیزیں اس کے دل کی کدورت اور روح کی آلودگی کا باعث ہوتی ہیں۔ 'نجاست' بھی ایسی چیز ہے جو انسان کی طبع سلیم سے مناسبت نہیں رکھتی اور ہر سلیم الفطرت انسان اس سے کراہت محسوس کرتا ہے، چہ جائے کہ اس کے کھانے پینے کا تصور کرے۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جو انسان کے مزاج اور طبیعت کے منافی ہوتی ہیں۔ ان سے آدمی وحشت ونفرت محسوس کرتا ہے۔ ایسی چیزوں کے کھانے کی شریعت نے ترغیب نہیں دی ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ بیرونی دنیا سے درآمد کیے جانے والے کھانے کے پیکٹس میں خنزیر کی چربی یا اس کے انفحہ (رینیٹ) سے تیار کردہ پنیر کی آمیزش ہوتی ہے۔ خنزیر کی کھال کا استعمال بعض قسم کے صابنوں، بلکہ بعض مٹھائیوں اور کیک کی تیاری تک میں کیا جاتا ہے۔ شوگر کے مریضوں کے لیے استعمال کی جانے والی انسولین میں اس کی آمیزش ہے۔ غذا کا مسئلہ ایک زمانے میں جھٹکے کی مرغی اور مشینی ذبیحہ تک محدود تھا، لیکن اب صورتِ حال یک سر مختلف ہے۔ اب ان میں دیگر ماکولات،

مشروبات، کاسمیٹکس، فارماسیوٹیکلز، پرفیومس، پولٹری کی خوراک، چمڑے اور ٹیکسٹائل کی مصنوعات بھی شامل ہو چکی ہیں۔ جدید دنیا میں ان درآمدات کی مارکیٹنگ کے لیے بھی مختلف وسائل رائج ہیں۔ ٹی وی، انٹرنیٹ، میسنجر، فیس بک وغیرہ کا یہ ایک انتہائی نفع بخش کاروبار ہے۔

باہر سے درآمد کیا جانے والا گوشت حلال ہے یا حرام؟ اس کی جانچ کے لیے ایک معتبر ذریعہ DNA جانچ کا ہے۔ اس کے علاوہ ایک طریقہ PCR اور ELISA بھی بعض ملکوں میں رائج ہے۔ لیکن یہ سب طریقے کس حد تک کام یاب ہیں؟ ان میں جانچ کرنے والے لوگوں کی ذرا سی غفلت نتائج پر کس حد تک اثر انداز ہو سکتی ہے؟ یہ چیز تحقیق طلب ہے۔ کیوں کہ وقتاً فوقتاً یہ شکایت اخبارات میں آتی رہتی ہے کہ فلاں ملک میں گوشت کی اتنی مقدار بعض تاجروں نے ایسی داخل کر دی ہے جو استعمال کے لائق نہیں، یا ان میں حرام گوشت کی آمیزش ہے۔ اہل کتاب کی طرف سے آنے والے گوشت کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال ہیں، اسی طرح جیسے ہمارے پاس اسلامی مما لک سے آنے والے گوشت کے بارے میں اصل حکم یہی ہے کہ وہ حلال ہے، اگرچہ ہمیں ان کے بارے میں قطعی علم نہیں ہوتا کہ انھوں نے ان جانوروں کو صحیح طریقے سے ذبح کیا ہے یا نہیں؟ ہمیں معلوم نہیں کہ انھوں نے ان پر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں، کیوں کہ اصل یہی ہے کہ ذبح کرنے والوں نے صحیح طریقے سے ہی ذبح کیا ہے اور اس اصل کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جا سکتا جب تک اس سے متصادم ٹھوس شواہد نہ مل جائیں۔

موجودہ صورتِ حال میں حلال کے تصور کو اجاگر کرنے اور اس پر حقیقی عمل درآمد کرانے کے لیے ضروری ہے کہ اسٹیک ہولڈرز، علماء و مشائخ اور غذائی ماہرین کو ایک چھت تلے مشترکہ طور پر تحقیقی کام سرانجام دینے کی دعوت دی جائے، تاکہ اس حوالے سے درپیش چیلنجز سے بہ آسانی نمٹا جا سکے۔ مساجد کے خطباء کو چاہئے کہ وہ عام مسلمانوں اور خاص کر قصائیوں اور گوشت فروخت کرنے والوں کو مسئلہ کی اہمیت سمجھائیں، بلکہ ان کے لیے تربیتی کیمپ رکھیں، جن میں ذبح کا شرعی طریقہ سمجھایا جائے

، ذبیحہ کے جو اعضاء جائز نہیں ہیں، ان کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں۔ اس معاملے میں جو تنظیمیں یا ادارے ذبیحہ کے حلال ہونے کے سرٹیفکیٹ جاری کرتے ہیں ان کی ذمہ داریاں بہت نازک ہیں۔ ان میں احکامِ شریعت سے واقف نمائندے ہونے چاہئیں، ذبح کے وقت نگرانی ہونی چاہیے، پیشگی اطلاع کے بغیر اچانک معائنہ ہونا چاہیے، تاکہ ان کی تصدیق کا غلط استعمال نہ ہو۔

حواشی و مراجع

۱۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ البقرۃ۔

۲۔ منذری، الترغیب والترھیب، کتاب البیوع وغیرھا، الترغیب فی طلب الحلال والاکل منہ والترھیب من اکتساب الحرام وأکلہ۔

۳۔ جامع ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب حدیث نمبر ۲۴۵۸

۴۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب جواز الذبح بکل ما انھر الدم

۵۔ سنن ابوداؤد، کتاب الضحایا، باب فی المبالغۃ فی الذبح

۶۔ دارقطنی، السنن، دارالمعرفۃ، بیروت،۱۹۶۶ء، ج ۴،ص ۲۸۳

۷۔ البانی، ناصرالدین، ارواءالغلیل، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۵ء، ج ۸،ص ۲۵۳

۸۔ مرغینانی، ابوالحسن برہان الدین علی بن ابی بکر، الہدایہ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ج ۴،ص ۴۳۳

۹۔ ابن عابدین، محمد امین آفندی، ردالمحتار، مکتبہ حقانیہ، پشاور، ج۹،ص۴۹۹

۱۰۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب الامر باحسان الذبح

۱۱۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الذبائح، باب اذا ذبحتم فاحسنوا الذبح

۱۲۔ سنن دارقطنی، ج ۴،ص ۲۸۳

۱۳۔ جدید فقہی مسائل اور ان کا مجوزہ حل (بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کے فقہی اجلاسوں کی قراردادیں اور سفارشات) ڈاکٹر عبد الستار ابو غدہ، اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، ماڈرن اسلامک فقہ اکیڈمی کراچی،۲۰۰۶ء، قرارداد نمبر ۹۵ (۱۰/۳) ص ۲۶۶

۱۴۔ نووی، ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف، المجموع شرح المھذب، دار الفکر، بیروت، ج۹، ص ۸۴

اسلام اور ماحولیات کا تحفظ

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

یہ حسین وجمیل کائنات ایک خاص مقصد اور انسانیت کے فائدے کے لیے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ البقرۃ: ۲۹۔ (وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا۔) اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ساری چیزیں انسان کے فائدے کے لیے ہیں اور خاص مقدار میں ہیں، نیز ان میں حد درجہ توازن اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے، چنانچہ قرآن حکیم میں ہے: اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ۔ القمر: ۴۹ (ہم نے ہر چیز کو ایک انداز سے پیدا کیا ہے)۔ ایک دوسری آیت میں ہے: وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ○ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ ○ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔ سورۃ الحجر: ۱۹–۲۱ (اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اس پر پہاڑ گاڑ دیے اور ہم نے اس میں ہر چیز ایک متعین مقدار سے اگادی اور اسی میں ہم نے تمہارے لیے زندگی گزارنے کے اسباب پیدا کر دیے اور انہیں بھی جن کو تم روزی دینے والے نہیں ہو اور تمام چیزوں کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو ایک متعین مقدار میں اتارتے ہیں۔)

انسان اس کائنات میں اللہ کا خلیفہ ہے، یعنی اللہ کے احکام کو قائم رکھنے اور اس کے حکموں کے نفاذ میں اس کا نائب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کائنات کا مالک نہیں، بلکہ امین اور محافظ ہے۔ وہ یہاں خود مختار نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے اسے حق حاصل ہو، بلکہ وہ اللہ کے احکام کا پابند ہے اور اس نے اس کائنات میں جس موزونیت

اور تناسب کو قائم کیا ہے اس کو باقی رکھنے کا ذمہ دار ہے۔ ایسا کوئی بھی کام جس کی وجہ سے توازن اور تناسب میں خلل واقع ہو، روئے زمین پر فساد پھیلانے کے مترادف اور دنیاوی مصیبت اور اخروی عذاب کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (الاعراف: ۸۵)

(اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو۔)

لیکن آج کا انسان اپنے ہی ہاتھوں اپنا گلا گھونٹنے کے لیے کوشاں ہے۔ اس نے اپنی مفسدانہ حرکتوں سے کائنات کے توازن کو بگاڑ دیا ہے اور کوئی چیز اپنی اصلی اور طبعی حالت پر باقی نہیں رہی، جس کے نتیجے میں خود اس کا اپنا وجود خطرے میں ہے، بلکہ اس کے کرتوتوں کی وجہ سے چرند، پرند، نباتات و جمادات ہر ایک کی زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ گویا آج کے حالات پر یہ آیت پوری طرح سے صادق آرہی ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الروم: ۴۱)

(لوگوں کی بد اعمالی کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا ہے، تاکہ انہیں ان کے کرتوت کا پھل مل جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ باز آجائیں۔)

اس آیت میں انسان کے فکر و عمل کے فساد کا ذکر ہے۔ اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ ماحولیاتی آلودگی کے نتیجہ میں خشکی اور تری ہر جگہ فساد کا ظہور ہورہا ہے اور اس کا سبب انسانوں کے کرتوت اور ان کی غلط حرکتیں ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان ان مفسدانہ کاموں سے باز آجائے۔

یہ صحیح ہے کہ انسان کو فکر و عمل کی آزادی دی گئی ہے، لیکن یہ آزادی مشروط ہے کہ اس سے کسی دوسرے کو ضرر اور تکلیف نہ پہنچے۔ اگر اس کی آزادی سے دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے، خواہ یہ نقصان اجتماعی ہو یا انفرادی، تو اس کے ہاتھ کو پکڑنا ایک مذہبی فریضہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

مثل القائم علی حدود اللّٰہ والواقع فیھا کمثل قومٍ استھموا علی سفینۃ، فأصاب بعضھم أعلاھا و بعضھم أسفلھا، فکان الذین في أسفلھا اذا استقوا من الماء مرّوا علی فوقھم، فقالوا لو أنّا أخرقنا في نصیبنا خرقاً ولم نؤذ من فوقنا، فان یترکوھم وما أرادوا ھلکوا جمیعاً، وان أخذوا علی أیدیھم نجوا ونجوا جمیعاً۔ [۱]

(اللہ کی حدوں پر قائم رہنے اور اسے پھلانگنے والے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کہ کچھ لوگوں نے کشتی میں بیٹھنے کے لیے قرعہ اندازی کی اور اس کے نتیجے میں بعض لوگوں کے حصے میں اوپری منزل آئی اور بعض کے حصے میں نچلی منزل۔ جو لوگ نچلی منزل میں تھے انہیں پانی لینے کے لیے اوپر آنا پڑتا تھا، اس لیے انہوں نے سوچا کہ اگر ہم نچلے حصے میں سوراخ کرلیں تو ہمیں اوپر جانے کی ضرورت نہ ہوگی اور ہمارے بار بار آنے جانے کی وجہ سے اوپر والوں کو جو تکلیف ہورہی ہے اس سے وہ بھی نجات پا جائیں گے۔ اب اگر اوپر کے لوگ نیچے کے لوگوں کو ایسا کرنے کے لیے چھوڑ دیں تو سب ہلاک ہوجائیں گے اور اگر انہیں روک دیں گے تو سب بچ جائیں گے۔)

اس حدیث میں کشتی کے نچلے حصے میں رہنے والوں کو ان کی نیک نیتی اور سہولت کی تلاش کی وجہ سے معذور نہیں سمجھا گیا، کیوں کہ ان کی حسن نیت اور آسانی کا نتیجہ تمام لوگوں کی ہلاکت کی شکل میں ظاہر ہونے والا ہے، اس لیے 'عمومی مصلحت' اور 'ضرر عام' کو رفع کرنے کے لیے ان کا ہاتھ پکڑنا ضروری ہے۔ لہٰذا ایسی کوشش کی حوصلہ شکنی لازمی ہے جس سے ماحولیات کو نقصان پہنچے اور اس کا نتیجہ جسم، عقل اور نسل کے ضرر اور تباہی کی شکل میں سامنے آئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

لا ضرر ولا ضرار [۲]

(نہ خود نقصان اٹھاؤ نہ دوسرے کو نقصان پہنچاؤ۔)

علامہ ابن عبد البرؒ وغیرہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

'ضرر' یہ ہے کہ انسان اپنے فائدے کے لیے کسی کو نقصان پہنچائے اور 'ضرار' یہ ہے کہ بلا وجہ اور بے فائدہ کسی کو نقصان پہنچائے۔ ۳؎

غرض یہ کہ ہر طرح کے ضرر اور نقصان سے خود بچنا اور دوسروں کو بچانا ضروری ہے۔ اس کے لیے کائنات میں موجود توازن کی حفاظت اور ماحول کی آلودگی سے بچانا ناگزیر ہے۔

پانی کی حفاظت

پانی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک اہم نعمت ہے۔ یہ ہر جان دار کے لیے ذریعۂ وجود اور سببِ حیات ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (الانبیاء:۳۰)

(اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا۔)

پانی کی اسی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مختلف انداز میں اور متعدد جگہوں پر تقریباً تریسٹھ (۶۳) مرتبہ پانی کا ذکر کیا ہے اور اس کی یہ صفات بیان کی ہیں: الطہور (پاک) المبارک (بابرکت) الغدق (کثیر) الفرات (میٹھا) الثجاج (بہت بہنے والا)۔

پاک وصاف پانی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے بطور احسان فرمایا ہے:

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا (الفرقان:۴۸)

(اور ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی نازل کیا۔)

کہا جاتا ہے کہ ایک انسان کھائے بغیر تقریباً ایک ماہ تک زندہ رہ سکتا ہے، مگر پانی کے بغیر ایک ہفتہ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ پانی کی اس لازمی اور بنیادی ضرورت کے پیش نظر اسے مشترکہ ملکیت قرار دیا گیا ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

المسلمون شرکاء فی ثلاث: الماء والکلأ والنار ۴؎

(پانی، گھاس اور آگ میں تمام مسلمان شریک ہیں۔)

بوقت ضرورت لوگوں کو پانی سے محروم رکھنے پر شدید وعید بیان کی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثلاثة لا یکلّمھم اللہ ولا ینظر الیھم ولا یزکّیھم ولھم عذاب ألیم: رجل علی فضل ماءٍ بطریقٍ یمنع منه ابن السبیل، ورجل بایع رجلاً لا یبایعه الا للدنیا، فان أعطاہ ما یرید وفی له والّا لم یف له، ورجل ساوم رجلاً بسلعة بعد العصر، فحلف باللہ لقد أعطی بھا کذا وکذا، فأخذھا۔ ۵ے

(تین لوگوں سے اللہ تعالیٰ نہ بات کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک صاف کرے گا: ایک وہ شخص جس کے پاس گزرگاہ پر زائد پانی ہو اور وہ کسی مسافر کو دینے سے انکار کردے، دوسرا وہ شخص جو کسی سے صرف دنیا حاصل کرنے کے لیے بیعت کرے، اگر اس کو دنیاوی فائدہ ملتا رہے تو وہ اس کا وفادار رہے، ورنہ نہیں، تیسرا وہ شخص جو عصر کے بعد کسی سامان کا بھاؤ تاؤ کرے اور جھوٹی قسم کھا کر کہے کہ یہ سامان اس کو اتنے میں ملا ہے اور خریدنے والا اس کی قسم پر اعتماد کرکے اسے اس قیمت پر خریدلے۔)

ایک دوسری روایت میں ہے:

فیقول اللہ یوم القیامة: الیوم أمنعک فضلی کما منعتَ فضلَ ما لم تعمل یداک۔ ۶ے

(اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص سے کہے گا: جس طرح تو نے اس زائد پانی کو نہیں دیا تھا جسے حاصل کرنے میں تیرے ہاتھوں کا کوئی دخل نہیں تھا، اسی طرح آج میں تم سے اپنے فضل کو روک لوں گا۔)

پانی زندگی کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اسی کے ساتھ وہ ایک مسلمان کے لیے نماز اور تلاوتِ قرآن جیسی اہم عبادت کے لیے بھی ناگزیر ہے، اس لیے حدیث اور فقہ کی کتابوں میں اس سے متعلق تفصیلی بحث ملتی ہے، جس سے پانی کی طہارت ونظافت اور نجاست کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کو معلوم کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُم (الانفال:۱۱)

(اور وہ آسمان سے تمہارے لیے پانی برساتا ہے، تاکہ تمہیں پاک کرے۔)

حدیث میں ہر ایسی کوشش کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور دنیا و آخرت میں کام یابی و کام رانی کی بشارت دی گئی ہے جس کے ذریعہ لوگوں کے لیے پانی کا نظم کیا جائے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سبعة يجرى على العبد أجرهن من بعد موته في بزه: من علم علماً، أو أكرى نهراً، أو حفر بئراً، أو غرس نخلاً، أو بنى مسجداً ،أو ورث مصحفاً، أو ترک ولداً يستغفر له ۷؎

(سات چیزوں کا فائدہ مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے: جو کسی کو علم سکھادے، یا نہر یا کنواں کھود دے، یا درخت لگادے، یا مسجد بنادے، یا قرآن چھوڑ جائے، یا اس کا کوئی لڑکا ہو جو اس کی مغفرت کی دعا کرے۔)

حضرت عثمان بن عفانؓ کے گھر کو جب بلوائیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو انہوں نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

أنشدكم ولا أنشد الا أصحاب النبی ﷺ: ألستم تعلمون أن رسول الله ﷺ قال: من حفر رومة فله الجنة، فحفرتها۔ ۸؎

(میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں اور اس قسم کے مخاطب صرف صحابہ کرام ہیں: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو کوئی رومہ نامی کنویں کو خرید کر مسلمانوں کو دے دے گا اس کے لیے جنت ہے۔ چنانچہ میں نے ہی اسے خرید کر مسلمانوں کے حوالے کر دیا تھا۔)

آبی ذخائر کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں اسراف سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (الاعراف:۳۱)

(کھاؤ اور پیو ،مگر فضول خرچی نہ کرو ، اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

فضول خرچی در حقیقت فساد کی ایک شکل ہے،اس لیے دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ

(البقرۃ:۶۰)

(اللہ کی روزی میں سے کھاؤ پیو،مگر زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔)

سورۃالشعراء میں کہا گیا ہے:

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ۔ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ (الشعراء:۱۵۱۔۱۵۲)

(اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات مت مانو ،جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔)

اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد ؓ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: یہ کیسی فضول خرچی ہے؟ انھوں نے عرض کیا: کیا وضو میں زیادہ پانی کا استعمال فضول خرچی ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

نعم، وان کنت علی نھرٍ جارٍ۔ ۹؎

(ہاں اگرچہ تم بہتے ہوئے دریا کے کنارے وضو کر رہے ہو۔)

پاکی حاصل کرنا ایک عبادت ہے۔حضرت سعدؓ کے تصور سے یہ بالاتر تھا کہ عبادت کے لیے پانی استعمال کرنے میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے اور اس میں حد سے تجاوز کرنا فضول خرچی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس خیالِ خام کو ختم کرنے کی کوشش کی اور فرمایا کہ ہاں،عبادت کے لیے بھی حد سے زیادہ پانی خرچ کرنا فضول خرچی ہے۔علامہ نوویؒ لکھتے ہیں: ’’علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ پانی میں فضول خرچی ممنوع ہے،اگرچہ وضو کرنے والا سمندر کے کنارے ہو۔‘‘ ۱۰؎

پانی کو آلودہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، بلکہ اس کو ڈھانک کر رکھنے کا حکم دیا

گیا ہے، تا کہ اس میں بیماری کے جراثیم سرایت نہ کریں۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

غطّوا الأناء، أوكوا السقاء، فانّ في السنة ليلة ينزل فيها وباء لا يمرّ باناءٍ ليس عليه غطاءٌ أو سقاءٌ ليس عليه وكاءٌ الّا نزل فيه من ذلك الوباء۔ ۱۱؎

(برتن کوڈھانک دو اور مشکیزہ کو باندھ دو، کیوں کہ سال میں ایک بار رات میں وبا نازل ہوتی ہے اور اگر کوئی برتن کھلا ہوا ہو تو وبا اس میں داخل ہوجاتی ہے۔)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں:

نهى النبی ﷺ أن يُشرَب من في السقاء۔ ۱۲؎

(نبی ﷺ نے مشکیزہ میں منھ لگا کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔)

اس حدیث کی شرح میں کہا گیا ہے کہ پانچ وجہوں سے آں حضرت ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے:

۱۔ ہوسکتا ہے کہ مشکیزہ میں کوئی کیڑا یا تنکا ہو اور وہ حلق میں چلا جائے۔

۲۔ یک بارگی بڑی مقدار میں پانی جانے کی وجہ سے گلے میں پھانس لگنے کا اندیشہ ہے۔

۳۔ پانی چوس کر پینا ممکن نہیں اور یک بارگی منھ بھر کر پینے کی وجہ سے جگر کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔

۴۔ اس سے مشکیزہ میں بدبو پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

۵۔ دوسروں کو یہ خیال ہوگا کہ پینے والے کے منھ سے کچھ پانی واپس مشکیزہ میں چلا گیا ہوگا اور وہ اس سے پانی پینے میں گھن محسوس کریں گے۔ ۱۳؎

جدید اکتشافات کی روشنی میں ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس طرح پانی پینے سے متعدّی جراثیم دوسروں تک منتقل ہوسکتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے: ''مشکیزہ سے پانی پینے کی بعض روایتیں حالتِ ضرورت پر محمول ہیں۔'' ۱۴؎

حضرت ابوہریرہؓ ہی سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا شرب أحدکم فلا یتنفّس في الاناء، فاذا أراد أن یعود فلینح الاناء، ثم لیعد ان کان یرید۔ ۱۵؎

(جب تم میں سے کوئی پانی پیے تو برتن میں سانس نہ لے۔ اگر دوبارہ پینا چاہے تو پہلے برتن منہ سے الگ کردے، پھر دوبارہ پیے۔)

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں:

انّ النبی ﷺ نھی عن النفخ فی الشرب، فقال رجل: القذاۃ أراھا في الاناء، قال: أھرقھا، قال: فانّي لا أروی من نفسٍ واحدٍ، قال: فأَبِن القدح اذن عن فیک۔ ۱۶؎

(نبی ﷺ نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر برتن میں تنکا نظر آجائے؟ آپؐ نے فرمایا: پانی گرادو۔ اس نے کہا: میں ایک سانس میں آسودہ نہیں ہوتا۔ فرمایا: برتن اپنے منہ سے الگ کردو۔)

اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے: ''برتن میں سانس لینے کی ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک سانس میں پانی پینا علمائے طب کے یہاں ناپسندیدہ ہے، کیوں کہ اس سے جگر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ آدابِ مجلس کے خلاف ہے، کیوں کہ برتن میں سانس لینے کی وجہ سے اس کے ذریعہ تھوک اور لعاب اس میں منتقل ہوسکتا ہے اور یہ بے ادبی ہے کہ کوئی ایسی چیز اپنے ہم نشیں کو دے جس میں اس کے لعاب کی آمیزش ہو۔'' ۱۷؎

علامہ ابن دقیق العیدؒ کہتے ہیں: ''ممکن ہے کہ اس کے منہ سے کوئی چیز نکل کر اس میں شامل ہوجائے جس سے دوسروں کو گھن محسوس ہو، اس لیے ایسا کرنا گویا

دوسروں کے لیے پانی کوخراب کرنا ہے، کیوں کہ دوسرے کی طبیعت اسے پینا گوارا نہیں کرے گی۔'' ۱۸؎

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں: ''پانی کو صاف رکھنے کے مقصد سے یہ ممانعت بطور ادب ہے، اس لیے کہ سانس کے ساتھ تھوک، ناک کی ریزش، یا خراب ہوا پانی میں منتقل ہوسکتی ہے، جس کی وجہ سے اس میں بد بو پیدا ہوجائے گی۔ اس لیے وہ خود یا کوئی دوسرا اسے پینے میں گھن محسوس کرے گا۔'' ۱۹؎

جدید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ برتن میں سانس لینے کی وجہ سے منھ میں موجود بعض جراثیم اس میں منتقل ہوجاتے ہیں اوراس کے ذریعہ بہت سے امراض دوسروں تک متعدی ہوسکتے ہیں۔

پانی کوآلودگی سے بچانے کے لیے ہی ایک حدیث میں کہا گیا ہے:

اتّقوا الملاعن الثلاثة: البراز فی الموارد وقارعة الطریق والظل۔ ۲۰؎

(لعنت کی تین جگہوں سے بچو: یعنی پانی میں، عام گزرگاہوں پر اور سایہ کی جگہوں میں پاخانہ کرنے سے۔)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لایبولنّ أحدکم في الماء الدائم الذي لایجری، ثم یغتسل منه۔ ۲۱؎

(تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں، جو بہتا نہ ہو، پیشاب نہ کرے کہ بعد میں ممکن ہے وہ اس میں غسل کرے۔)

علامہ نوویؒ کہتے ہیں: ''پانی میں پیشاب کرنا ہر حال میں ممنوع ہے، خواہ اس میں اس کے بعد غسل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ پیشاب کی طرح اس میں پاخانہ کرنا بھی ممنوع ہے، بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ یہی حکم اس وقت بھی ہے جب کہ کسی برتن میں پیشاب کرے اور پھر اسے پانی میں ڈال دے، یا کسی تالاب کے کنارے پیشاب کرے اور وہ بہہ کر پانی میں پہنچ جائے۔'' ۲۲؎

حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ایک دوسری حدیث میں ہے:

لا یغتسل أحدکم في الماء الدائم وھو جنب، فقال: کیف

يفعل يا أبا هريرة؟ قال: يناوله تناولاً۔ ۲۳؎

(تم میں سے کوئی اگر ناپاک ہو تو ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے۔ ایک صاحب نے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا: پھر وہ غسل کیسے کرے؟ انہوں نے جواب دیا: اس میں سے پانی لے کر غسل کرے۔)

اسلام اس سلسلے میں کس درجہ حساس ہے، اس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے لگایا جا سکتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

اذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمسنّ يده في الاناء حتى يغسلها ثلاثاً، فانه لا يدري أين باتت يده۔ ۲۴؎

(جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈالے، یہاں تک کہ اسے تین مرتبہ دھولے، کیوں کہ اسے معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے؟)

یعنی محض شک کی بنیاد پر پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے ہاتھ دھونے سے پہلے اسے پانی کے برتن میں ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں: ''ممانعت کی وجہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس کے ہاتھ میں کوئی ایسی چیز نہ لگی ہوئی ہے جو پانی کو خراب کردے؟ اس حدیث کا تقاضا ہے کہ اگر کسی کو بیداری کی حالت میں بھی اس طرح کا شک پیش آجائے تو اسے بھی ہاتھ دھائے بغیر اسے بر تن میں نہیں ڈالنا چاہیے۔'' ۲۵؎

آج کے دور میں پانی کی آلودگی کا مسئلہ محض پیشاب پاخانے تک محدود نہیں ہے، بلکہ ان سے بھی زیادہ خطرناک اور زہریلے مادوں کے ذریعے پانی کو مسلسل آلودہ کیا جا رہا ہے۔ صنعتی اور کیمیاوی فضلات اور دیگر آلودگی پیدا کرنے والی چیزوں کے ذریعے ندی، تالاب اور دریا کو آلودہ کیا جا رہا ہے، جس کی وجہ سے آبی جانوروں اور خود انسانوں کی زندگی ایک بڑی مصیبت اور ایک زبردست خطرے سے دوچار ہے۔ اس لیے لوگوں کو اس معاملے میں بیدار ہونے کی ضرورت ہے، ورنہ وہ خود اپنے ہاتھوں لگائی

گئی آگ میں جل کر ختم ہو جائیں گے۔

ہوا کو آلودگی سے بچانا

ہوا بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک اہم نعمت ہے، جس کے بغیر زندگی کا تصور ناممکن ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

لا تسبّوا الريح، فانّها من روح الله تبارك وتعالىٰ، وسلوا الله خيرها وخير مافيها وخير ما أرسلت به، وتعوّذوا بالله من شرّ ما فيها وشرّ ما أرسلت به۔ ۲۶؎

(ہوا کو برا بھلا مت کہو، کیوں کہ وہ اللہ کی رحمت ہے اور اللہ سے اس کی بھلائی اور جس کے لیے وہ بھیجی گئی ہے، اس کی بھلائی کے طلب گار بنو۔ اور اللہ سے اس کے شر اور جس کے لیے وہ بھیجی گئی ہے، اس کے شر سے پناہ مانگو۔)

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: ''تم ہوا کے بارے میں غور کرو کہ وہ سب سے پہلے ناک میں داخل ہوتی ہے اور وہاں اس کی ٹھنڈک ختم ہو جاتی ہے، پھر حلق تک پہنچ کر اس کا مزاج معتدل ہو جاتا ہے، پھر ایک پاکیزہ لطیف ہوا پھیپھڑے میں پہنچتی ہے۔ پھر وہاں سے دل کے ذریعہ تمام رگوں سے ہوتے ہوئے جسم میں پھیل جاتی ہے۔ وہاں پہنچ کر جب ہوا گرم ہو جاتی ہے اور انتفاع کے لائق نہیں رہتی تو پھیپھڑے کے ذریعے حلق اور ناک کے راستے سے جسم سے خارج ہو جاتی ہے، پھر دوبارہ اسی طرح سے صاف ستھری ہوا داخل ہو جاتی ہے۔ اس مختصر سی مدت میں جسم میں ہم سانس لیتے اور چھوڑتے ہیں۔ اس عمل میں اللہ کی بے شمار نعمتیں پنہاں ہیں۔'' ۲۷؎

جدید سائنس میں کہا جاتا ہے کہ سانس کے ذریعہ آکسیجن جسم میں داخل ہوتی ہے اور جسم کے ہر حصے میں پہنچ کر غذا کو تحلیل کرنے اور توانائی بنانے کا کام انجام دیتی ہے۔ اس عمل کے نتیجے میں کاربن ڈائی آکسائڈ تیار ہوتی ہے جو جان دار کے لیے ایک زہریلی گیس ہے۔ خون اسے جسم کے ہر حصے سے لاکر پھیپھڑوں میں

چھوڑ دیتا ہے، جہاں سے یہ سانس کے ذریعہ باہر نکل جاتی ہے۔

علامہ خطابیؒ کہتے ہیں: ''ہوا کا بہتر اور خوش گوار ہونا انسانی صحت کو برقرار رکھنے میں سب سے زیادہ معاون ہے اور ہوا کا خراب ہونا جسم کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ اس کی وجہ سے بیماری بہت جلد قدم جما لیتی ہے۔'' ۲۸؎

علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں: ''آفات و بلیّات اور امراض سے حفاظت اور سلامتی کے لیے ہوا کا خوش گوار ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ اگر وہ ٹھہری ہوئی اور ناگوار ہو، یا خراب پانی اور بدبودار جگہ سے قریب ہو تو اس میں بھی بدبو پھیل جاتی ہے اور اس کی وجہ سے کسی بھی جان دار کا بیمار ہونا یقینی ہے۔ یہ بات مشاہدہ میں ہے کہ جن شہروں میں اچھی ہوا کی رعایت نہیں کی گئی وہاں کثرت سے بیماریاں پائی جاتی ہیں۔'' ۲۹؎

اسلامی شریعت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد جسم و جان کی حفاظت ہے۔ چنانچہ علامہ شاطبیؒ لکھتے ہیں: ''پوری امت، بلکہ تمام مذاہب کے لوگ اس پر متفق ہیں کہ شریعت اور قانون پانچ ضروری چیزوں کی حفاظت کے لیے بنایا جاتا ہے: دین، نفس، نسل، مال اور عقل۔'' ۳۰؎

حدیث میں کہا گیا ہے:

انّ اللّٰہ کتب الاحسانَ علی کل شیئٍ ۳۱؎

(اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ احسان (بہتر طریقہ اختیار کرنے) کو فرض کیا ہے۔)

علامہ ابن رجب حنبلیؒ کہتے ہیں: ''اس حدیث میں احسان کے ضروری ہونے کی صراحت ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل: ۹۰)

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔)

اور ایک دوسری آیت میں ہے:

وَاَحۡسِنُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (البقرۃ: ۱۹۵)

(اور احسان کرو۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔)

احسان کا یہ حکم کبھی واجب ہوگا اور کبھی مستحب۔ مذکورہ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ہر عمل میں احسان ضروری ہے، لیکن ہر چیز کا احسان اس کے اعتبار سے ہے۔ ۳۲ یعنی اگر فعل واجب ہے تو احسان بھی واجب ہوگا اور اگر فعل مستحب ہے تو احسان بھی مستحب ہوگا۔

علامہ عز بن عبد السلامؒ لکھتے ہیں: ''احسان منحصر ہے مصلحت کو حاصل کرنے اور مفسدہ کو دور کرنے میں اور یہی تقویٰ اور پرہیزگاری کی انتہا اور مقصود ہے۔ اس کا سب سے اعلیٰ درجہ عبادات میں احسان ہے... دوسرا درجہ مخلوقات کے ساتھ احسان ہے اور اس کی شکل مصلحت کو حاصل کرنا اور مفسدہ کو دور کرنا ہے...اور یہ احسان انسان کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ملائکہ کے حق میں بھی ضروری ہے، کیوں کہ وہ بھی انسان کی طرح تکلیف دہ چیزوں سے اذیت محسوس کرتے ہیں، بلکہ ہر طرح کے جان دار کے ساتھ اس کا لحاظ رکھنا ہوگا۔'' ۳۳

ان عمومی دلیلوں سے ہوا اور فضا کی حفاظت کے سلسلے میں اسلامی شریعت کے نقطۂ نظر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ فضائی آلودگی کے سلسلے میں آج ہم جس خطرناک صورت حال سے دوچار ہیں، ماضی میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تاہم بعض روایتوں کے اشارات سے اس سلسلے میں کچھ مدد مل سکتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

أطفئوا المصابيح اذا رقدتم، وغلّقوا الأبواب۔ ۳۴

(جب تم سونے جاؤ تو چراغ کو بجھا دو اور دروازہ بند کردو۔)

ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

لا تتركوا النار في بيوتكم حين تنامون۔ ۳۵

(سوتے وقت اپنے گھروں میں جلتی ہوئی آگ نہ چھوڑو۔)

گزشتہ ادوار میں اس حدیث کی تشریح میں یہی کہا جاتا تھا کہ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے گھر میں آگ لگ جانے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے آگ بجھا کر سونے کا حکم دیا گیا، لیکن جدید تحقیق کی روشنی میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آگ جلنے کی وجہ سے آکسیجن ختم ہوتی ہے اور کاربن ڈائی آکسائڈ میں اضافہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے انسان اور دیگر حیوانات کی زندگی خطرے سے دو چار ہوجاتی ہے۔ اس لیے حدیث میں جلتی ہوئی آگ چھوڑ کر سونے سے منع کیا گیا ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ہر ایسا عمل نادرست ہے جس کی وجہ سے فضائی آلودگی میں اضافہ ہو اور زندگی گزارنا مشکل ہوجائے۔

متعدد حدیثوں میں میّت کو جلد دفنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ پھٹنے اور سڑنے سے پہلے ہی اسے اس کے ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے، کیوں کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں اس کی بے حرمتی نیز بدبو کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہوگی۔ بہت سی حدیثوں میں پیڑ پودے لگانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی ایک مصلحت فضائی آلودگی سے حفاظت بھی ہوسکتی ہے۔

بعض فقہی عبارتوں سے بھی ہمیں اس مسئلے میں رہ نمائی ملتی ہے، جیسا کہ ہوا کے سلسلے میں علامہ ابن نجیم مصریؒ نے لکھا ہے: ''اگر کسی کے درخت کی شاخوں نے دوسرے کے گھر کی ہوا کو روک رکھا ہے اور گھر کے مالک نے ان شاخوں کو کاٹ دیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر شاخیں ایسی ہوں کہ انہیں رسی سے باندھ کر ہوا کی جگہ کو فارغ کیا جاسکتا ہے تو کاٹنے والا ضامن ہوگا اور اگر ایسا نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا، جب کہ ایسی جگہ سے کاٹا ہو کہ اگر معاملہ عدالت میں پہنچ جاتا تو قاضی اس جگہ سے کاٹنے کا حکم دیتا''۔ ۳۶؎

اسی طرح کی بات علامہ ابن رشدؒ، امام نوویؒ اور علامہ ابن قدامہؒ نے بھی لکھی ہے۔ ۳۷؎ ان سب کا حاصل یہ ہے کہ ہوا انسان کی بنیادی ضرورت ہے، جسے روکنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ حنفی، مالکی اور حنبلی فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں تنور، حمام، لوہار یا سنار کی بھٹی لگالے، جس کے دھویں سے

پڑوسیوں کو تکلیف ہوتی ہو تو اسے اس سے منع کیا جائے گا، الّا یہ کہ وہ دھوئیں کو زائل کرنے کی کوئی تدبیر اختیار کرے۔ ۳۸؎ بعض شافعی علماء کی رائے اس کے برخلاف ہے، لیکن ان میں سے بہت سے لوگوں نے جمہور کی رائے کو اختیار کیا ہے، چنانچہ فقہ شافعی کی بعض کتابوں میں ہے:

> ''حدیث ۳۹؎ کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ ضرر کی تمام صورتیں حرام ہوں، خواہ اس سے کم نقصان ہو یا زیادہ، الّا یہ کہ کسی دوسری دلیل سے اس کا جائز ہونا معلوم ہو۔ اس لیے کہ حدیث کے الفاظ بالکل عام ہیں، لہٰذا کسی شخص کے لیے اپنے گھر میں کوئی ایسا روشن دان کھولنا حرام ہے جس کے ذریعہ وہ پڑوسی کی عورتوں کو دیکھ سکے۔ اسی طرح تنور، حمام، چکی وغیرہ لگانا بھی حرام ہے، کیوں کہ دھوئیں اور چکی کی آواز سے دوسروں کو تکلیف ہوگی۔'' ۴۰؎

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے لکھا ہے: ''کسی شخص کا ایسا عمل جو پڑوسی کے لیے ضرر رساں ہو، جائز نہیں ہے۔'' اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ حدیث میں کہا گیا ہے: '**لاضرر ولاضرار**'۔ چوں کہ اس کی وجہ سے پڑوسی کو نقصان پہنچ رہا ہے، لہٰذا جائز نہیں ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی چیز کو اس طرح سے کوٹتا ہے کہ اس سے پڑوسی کی دیوار ہل رہی ہے اور کمزور ہو رہی ہے، یا اس کی دیوار کی جڑ میں کھاد یا پانی لاکر رکھ دے، جس سے اس کی دیوار کو نقصان پہنچے، یا کسی نے پانی کا حوض بنا رکھا ہے اور اس کے پڑوسی نے قریب میں انجیر وغیرہ کا درخت لگا دیا ہے جس کی جڑیں پانی کے حوض کی دیوار میں شگاف ڈال رہی ہیں تو اسے ایسا کرنے کا حق نہیں اور اسے اس درخت کے لگانے سے منع کیا جائے گا اور اگر لگا دیا ہے تو اکھاڑ دینا درست ہے۔'' ۴۱؎

علامہ عبدالرحمن بن نصر شیزریؒ نے تنور وغیرہ کے سلسلے میں محتسب کے فرائض کے بیان میں لکھا ہے: ''مناسب ہے کہ روٹی پکانے کی دوکان کی چھتیں اونچی ہوں، ان کے دروازے کھلے ہوئے ہوں اور چھتوں میں دھواں نکلنے کے لیے بڑی اور کشادہ چمنی ہو، تاکہ اس کی وجہ سے لوگوں کو ضرر نہ پہنچے۔'' ۴۲؎

ان تفصیلات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں :

۱۔ اگر کوئی پکوان کے لیے ایندھن کے طور پر ایسی چیز کے استعمال پر قادر ہو جس سے کم دھواں پیدا ہوتا ہے، لیکن وہ زیادہ دھواں پیدا کرنے والے ایندھن سے قدرے مہنگی ہوں تو اجتماعی ضرر سے بچنے کے لیے اسے کم دھواں چھوڑنے والے یا دھواں نہ پیدا کرنے والے ایندھن کا استعمال کرنا ضروری ہوگا۔

۲۔ اگر حکومت کی طرف سے کسی خاص گاڑی کے لیے گیس کے استعمال کو لازم کردیا جائے تو اس قانون کی پابندی شرعاً واجب ہوگی، نیز اگر حکومت کی طرف سے کوئی ہدایت نہ ہو، جب بھی اس کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ لوگوں کو ضرر سے بچانے، ماحول کو پاک و صاف رکھنے، ضروریاتِ زندگی کو فساد سے بچانے اور جسم وجان اور عقل ونسل کی حفاظت کے لیے کم آلودگی پیدا کرنے والے ایندھن کو اختیار کرے۔

۳۔ اگر حکومت کی طرف سے جنریٹر کے لیے ہوا کو آلودگی سے بچانے کے مقصد سے ڈیزل اور مٹی کے تیل کے استعمال کی ممانعت کردی گئی ہے تو اس کی تعمیل لازم ہے، تاکہ ماحول کو نقصان سے بچایا جاسکے اور اگر حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہ ہو تو بھی حسبِ استطاعت ایسے ایندھن کو استعمال کرنا چاہیے جس سے کم سے کم دھواں پیدا ہو۔

۴۔ لوگوں کو چاہیے کہ جہاں تک ہوسکے وہ روشنی اور دیگر سہولیات کے لیے آلودگی سے محفوظ توانائی کا استعمال کریں، مثلاً شمسی توانائی وغیرہ۔

۵۔ کارخانے وغیرہ کو آبادیوں سے باہر ہونا چاہیے اور ان کی چمنیوں کو ایک خاص سطح تک اونچا رکھا جائے اور ان میں ایسا ایندھن استعمال کیا جائے جس سے کم سے کم آلودگی پیدا ہو۔ یہ ہر ایک کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ اور اگر حکومت کی طرف سے اس کے متعلق کوئی قانون بنادیا جاتا ہے تو اس کی پابندی ضروری ہے۔ کیوں کہ قرآن حکیم میں نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کا حکم دیا گیا ہے اور گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں تعاون سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

(المائدۃ: ۲)

(نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کرو۔)

قرآن حکیم میں اس سلسلے میں کسی فرد یا جماعت کو معیار نہیں بنایا گیا ہے کہ کن لوگوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے اور کن لوگوں کے ساتھ نہیں؟ بلکہ ان چیزوں کو معیار بنایا گیا ہے جن میں تعاون کرنا مطلوب ہے اور جن میں تعاون کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے غیر مسلم حکومت کی طرف سے بھی مفاد عامہ سے متعلق کسی حکم کا پابند بنایا جائے تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ کسی ملک کی شہریت کو قبول کرنے میں اس بات کا معاہدہ ہوتا ہے کہ شہریت قبول کرنے والا اس ملک کے قوانین کا پابند ہوگا، اس لیے غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان قوانین کی پابندی کریں جن سے کسی شرعی حکم کی مخالفت لازم نہ آتی ہو۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں معاہدہ کی خلاف ورزی اور معصیت ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَآیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدۃ: ۱)

(ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو۔)

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً (بنی اسرائیل: ۳۴)

(اور عہد و پیمان پورا کرو، کیوں کہ قول و قرار کی باز پرس ہوگی۔)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

المسلمون عند شروطهم [۴۳]

(مسلمانوں کو شرط پر عمل کرنا ہوگا۔)

نیز ایک مسلمان سے اپنی عزت و آبرو کی حفاظت بھی مطلوب ہے، جو حکومتی قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں ضائع ہوسکتی ہے۔ (باقی)

حواشی و مراجع

۱۔ صحیح بخاری: ۶۱ ۲۳، جامع ترمذی: ۲۱۷۳، مسند احمد: ۱۸۳۸۷

۲۔ سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۰، موطا مالک ۱۴۲۹، مسند احمد: ۲۸۶۷، مستدرک حاکم: ۲۳۴۵، وقال الحاکم صحیح علی شرط مسلم ووافقہ الذھبی

۳۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم: ۳۰۴

۴۔ سنن ابی داؤد: ۳۴۷۷، سنن ابن ماجہ: ۲۴۷۲، مسند احمد: ۲۳۱۳۲

۵۔ صحیح بخاری: ۲۵۲۷، صحیح مسلم: ۱۰۸۱ ۶۔ صحیح بخاری: ۷۰۰۸

۷۔ مسند بزار: ۷۲۸۹، صحیح الجامع للالبانی: ۲۰۳۶۰۔

۸۔ صحیح بخاری: ۲۶۲۶، جامع ترمذی: ۳۶۹۹، سنن نسائی: ۳۱۸۲، مسند احمد: ۴۲۰

۹۔ سنن ابن ماجہ: ۴۲۵، مسند احمد: ۷۰۶۵، السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی: ۳۲۸۴

۱۰۔ المنہاج: ۴/ ۲ ۱۱۔ صحیح مسلم: ۲۰۱۴، مسند احمد: ۱۷۱۴۸

۱۲۔ صحیح بخاری: ۵۳۰۵

۱۳۔ کشف المشکل من حدیث الصحیحین: ۱/ ۵۷۴۔

۱۴۔ ابن حجر، فتح الباری: ۱۰/ ۹۲ ۱۵۔ سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۷

۱۶۔ جامع ترمذی: ۱۸۸۷، مسند احمد: ۱۱۲۱۹ ۱۷۔ ابن عبدالبر، التمھید: ۱/ ۳۹۷

۱۸۔ احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام: ۱/ ۴۶ ۱۹۔ فتح الباری: ۱/ ۲۵۳

۲۰۔ سنن ابی داؤد: ۲۶، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸ ۲۱۔ صحیح مسلم: ۲۸۱، سنن ابن ماجہ: ۳۴۳

۲۲۔ المنہاج: ۳/ ۱۸۸ ۲۳۔ صحیح مسلم: ۲۸۳، سنن نسائی: ۲۲۰

۲۴۔ صحیح مسلم: ۲۷۸، سنن ابی داؤد: ۱۰۳ ۲۵۔ جامع ترمذی: ۲۴، مسند لاحمد: ۱۰۰۹۳

۲۶۔ سنن ابی داؤد: ۵۰۹۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۷۷، مسند احمد: ۲۱۱۷۷

۲۷۔ ابن قیم، التبیان فی اقسام القرآن: ۱/ ۱۹۰ ۲۸۔ معالم السنن: ۴/ ۲۳۶

۲۹۔ مقدمہ ابن خلدون: ص ۱۴۸

۳۰۔ شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ: ۱/ ۳۱

۳۱۔ صحیح مسلم: ۱۹۵۵ ۳۲۔ جامع العلوم والحکم: ۱/ ۱۵۲ باختصار

۳۳۔ الفوائد فی اختصار المقاصد: ۳۴۔ صحیح بخاری: ۵۳۰۱،

مسند احمد: ۱۵۰۵۷

۳۵۔ صحیح بخاری: ۵۹۳۵، صحیح مسلم: ۲۰۱۵ ۳۶۔ البحر الرائق: ۷/ ۱۹۷

۳۷۔ دیکھیے البیان والتحصیل: ۹/ ۴۰۹، المجموع: ۱۳/ ۴۱۰، المغنی: ۵/ ۲۲

۳۸۔ دیکھیے الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۶/ ۴۶۵، الموسوعۃ الفقہیۃ: ۲۰/ ۲۴۱

۳۹۔ من ضارّ ضارّ اللّٰہ بہ، ومن شاقّ شاقّ اللّٰہ علیہ (جامع ترمذی: ۱۹۴۰) والی حدیث مراد ہے۔

۴۰۔ تحفۃ الحبیب علی شرح الخطیب: ۳/ ۴۱۱ ۴۱۔ المغنی: ۶/ ۲۰۲

۴۲۔ نہایۃ الرتبۃ الظریفۃ فی طلب الحسبۃ الشریفۃ: ص ۲۲ ۴۳۔ صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ

تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں

مولانا سید جلال الدین عمری

آج اسلامی تہذیب کو مغربی تہذیب کے لیے ایک چیلنج سمجھا جارہا ہے اور اس کی تصویر بگاڑنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کبھی تو اس کے مستقل وجود ہی سے انکار کیا جاتا ہے۔ پیش نظر کتاب میں تہذیب و سیات کی تعمیر میں اسلام کا کردار، سلام، امن و سلامتی کا پیغام، تحائف کی دینی و سماجی حیثیت، اسلام اور اصول سیاست، اسلام اور سیاست، اسلام کا شورائی نظام، مغرب اور انسانی حقوق کی تحریک، اسلام اور انسانی حقوق کی ضمانت جیسے موضوعات پر اسلامی نقطۂ نظر سے گفتگو کی گئی ہے اور بعض سوالات یا اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

یہ مولانا کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے مختلف مواقع پر سپرد قلم فرمائے تھے اور وہ مجلہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ میں شائع ہوئے۔ ان کی یکجا ترتیب سے تہذیب و سیاست کے میدان میں اسلام کے نقطۂ نظر کی عمدہ پیرائے میں وضاحت ہوتی ہے اور اس کی تعمیر میں اسلام کا انقلابی کردار نمایاں ہوتا ہے۔

صفحات: 96 **قیمت: 65روپے**

ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی 110025

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ 202002

بحث ونظر

علومِ اسلامیہ میں خواتین کی خدمات

——————— ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اسلام میں خواتین کا مقام و مرتبہ واضح ہے۔ انھیں علمی اور عملی ہر طرح کی سرگرمیاں انجام دینے کی اجازت ہے۔ ان کے حقوق اور فرائض سب متعین کردیے گئے ہیں۔ لیکن مقامِ حیرت وافسوس ہے کہ ان کے بارے میں اپنے اور پرایے سب غلط بیانی اور غلط فہمی کا شکار ہیں۔ ایک طرف اسلام کے مخالفین اور بدخواہ طرح طرح کے اعتراضات اور الزامات عائد کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام نے مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو پست درجہ دیا ہے۔ انھیں گھر کی چہار دیواری میں قیدی بنا کر رکھا ہے۔ ان پر حجاب کی بندشیں عائد کرکے انھیں سماج سے بالکلیہ کاٹ دیا ہے اور کسی کو ان کی علمی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اور اس طرح کے دیگر اعتراضات اسلام کی صحیح تعلیمات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہیں۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ اسلام کے نام لیواؤں نے اسلام میں خواتین کے مقام و مرتبہ کا صحیح تعارف نہیں کرایا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ ان کا عملی رویّہ مخالفینِ اسلام کے مذکورہ بالا اعتراضات کی تائید وتوثیق کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

خواتین کا امتیازی کردار

اسلامی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو سماج کی تعمیر و ترقی میں خواتین کا کردار بڑا درخشاں اور مثالی نظر آتا ہے۔ ان کی خدمات ہمہ جہت ہیں۔ خاص طور سے علوم وفنون

کی اشاعت کے میدان میں انہوں نے بہت سرگرمی سے حصہ لیا ہے۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ان کا یہ کردار بہت نمایاں نظر آتا ہے۔

علم کی نسل در نسل منتقلی میں خواتین نے اہم کردار نبھایا ہے۔ انہوں نے قرآن کریم حفظ کیا ہے اور حفظ کرایا ہے، تجوید اور علم قراءت میں مہارت حاصل کی ہے اور دوسروں کو یہ فن سکھایا ہے، اپنے شیوخ سے احادیثِ نبوی کا سرمایہ حاصل کیا ہے اور پوری حفاظت کے ساتھ اسے دوسروں تک پہنچایا ہے، فقہ سے اشتغال رکھا ہے اور اپنے فتاویٰ کے ذریعہ عوام کی رہ نمائی کی ہے، زہد و تصوف میں شہرت حاصل کی ہے اور وعظ و ارشاد کی محفلیں سجائی ہیں۔ الغرض علوم و فنون اور خاص طور پر اسلامی علوم کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو خواتین کا مرہونِ منت نہ ہو۔ [۱]

خواتین کے ذریعہ علوم کی سرپرستی

فروغِ علم کا ایک اہم ذریعہ یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کے لیے مکاتب، مدارس، رباطات، ادارے اور مراکز قائم کیے جائیں، ان کے لیے اوقاف خاص کیے جائیں، ان میں تعلیم دینے والوں کے لیے وظائف مقرر کیے جائیں اور تعلیم حاصل کرنے والوں کے مصارف برداشت کیے جائیں۔ جن لوگوں نے خود کو علمی کاموں کے لیے وقف کر رکھا ہے انہیں معاشی تگ و دَو کرنے سے آزاد رکھا جائے۔ اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ حکم راں طبقے سے تعلق رکھنے والی اور دولت و ثروت سے بہرہ ور خواتین نے ہر دور میں یہ خدمات انجام دی ہیں۔ یہاں صرف چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

عباسی خلیفہ ہارون رشید (م ۱۹۳ھ) کی بیوی زبیدہ بنت جعفر (م ۲۱۶ھ) کو رفاہی کاموں کی انجام دہی کے معاملے میں بہت شہرت حاصل ہے۔ اسے قرآن مجید کی تعلیم سے بہت دل چسپی تھی۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ اس نے اپنی سو (۱۰۰) باندیوں کو اس کے لیے فارغ کر رکھا تھا:

كان لها مائة جارية يحفظن القرآن ، ولكل واحدة وِردُ عُشرِ القرآن

و کان یُسمع في قصرها کدويّ النحل من قراءة القرآن ۲؎

(اس کی سو سے زیادہ باندیاں تھیں، جو زیادہ تر وقت قرآنِ کریم کی تلاوت اور حفظ میں مشغول رہتی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک قرآن کے دسویں حصہ کی تلاوت کرتی تھی۔ محل میں ان کی آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کے مثل سنائی دیتی تھی۔)

زمرّد خاتون (۵۵۷ھ)، جو دمشق کے حکم راں الملک دقّاق کی بہن تھیں، انھوں نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، جو المدرسة الخاتونیة البرانیة کے نام سے معروف تھا۔ ۳؎ عائشہ ہانم (بارہویں صدی ہجری) نے ۱۱۵۴ھ میں ایک مسافر خانہ تعمیر کرایا تھا، جس کو 'سبیل عائشہ ہانم' کہا جاتا تھا۔ اس کے اوپر انھوں نے قرآن کی تعلیم کے لیے ایک مکتب قائم کیا تھا اور ان دونوں کے مصارف کے لیے بہت سی جائیدادیں وقف کر دی تھیں اور اپنے ورثاء کو ان کا متولّی بنا دیا تھا۔ ۴؎ یمن کے سلطان الملک المظفر کی بیوی مریم نے زبید میں المدرسة المجاهدیة قایم کیا، اس میں یتیم اور غریب بچوں اور دیگر طالب علموں کو داخل کیا، اس میں امام، مؤذن اور معلّم کو رکھا اور اس کے مصارف کے لیے وقف کا معقول نظم کیا۔ ۵؎ السیدة ملکة بنت ابراهیم البعلیة الدمشقیة نے خواتین کے لیے مخصوص ایک رباط قائم کیا، جس میں قرآن مجید کے حفظ اور حدیثِ نبوی کی تعلیم کا نظم کیا۔ ۶؎

صحابیات وتابعیات کی علمی خدمات

علوم اسلامیہ کی اشاعت وترویج کا کام عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ ہی سے شروع ہو گیا تھا اور خواتین نے اس میں سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔۔ امہات المومنین میں خاص طور پر حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ نے بڑے پیمانے پر امت کو علمی فیض پہنچایا ہے۔ حضرت عائشہؓ نہایت ذہین اور غیر معمولی حافظہ کی مالک تھیں۔ چنانچہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی ہر بات کو اس کی صحیح ترین اور کامل ترین شکل میں یاد رکھا اور آپؐ کے جن اعمال کا مشاہدہ کیا ان کو بھی پوری طرح سمجھ کر اپنے ذہن میں محفوظ رکھا۔ وہ رسول اللہ

ﷺ کی وفات کے بعد پچاس (۵۰) برس تک زندہ رہیں اور مسلمانوں کی دونسلوں تک آپؐ کی تعلیمات کو پہنچانے کا ذریعہ بنیں۔وہ ایک قسم کا ’ زندہ ٹیپ ریکارڈر‘ بن کر تقریباً نصف صدی تک امت کے حق میں فیض رسانی کا ذریعہ بنی رہیں۔ ۷؎

حضرت عائشہؓ سے دوہزار دوسودس (۲۲۱۰) احادیث مروی ہیں۔ان سے دو سو ننانوے (۲۹۹) صحابہ وتابعین نے روایت کی ہے، جن میں سڑسٹھ (۶۷) خواتین تھیں۔حضرت ام سلمہؓ کا شمار فقہائے صحابیات میں ہوتا ہے۔علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اگران کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک رسالہ تیار ہوسکتا ہے۔ ۸؎ ان سے ایک سو ایک (۱۰۱) صحابہ وتابعین نے روایت کی ہے، جن میں تیئس (۲۳) خواتین ہیں۔احادیث کی روایت میں صحابیات، تابعیات اور بعد کی خواتین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔یہاں صرف چند مشہور خواتین کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

سید التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ (م ۹۴ھ) بڑے علم وفضل کے مالک تھے۔ان کے حلقۂ درس سے بے شمار لوگوں نے فائدہ اٹھایا اوران سے احادیث روایت کیں۔ان کی صاحب زادی ’درّۃ‘ نے ان سے مروی تمام احادیث حفظ کرلی تھیں۔خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان (م ۸۶ھ) نے اپنے بیٹے اور ولی عہد ولید کے لیے ان کا رشتہ مانگا،لیکن ابن المسیبؒ نے انکار کردیا اوران کا نکاح اپنے ایک شاگرد ابن ابی وداعہ سے کردیا۔نکاح کے کچھ روز کے بعد جب شوہر حضرت ابن المسیبؒ کی علمی مجلس میں جانے لگے تو بیوی نے کہا: **اجلس أعلّمک علم سعید۔** ’’یہیں رہیے، (میرے والد) حضرت سعیدؒ کے پاس جو علم ہے وہ میں ہی آپ کو دے دوں گی۔‘‘ ۹؎

امام مالک بن انسؒ (م ۱۷۹ھ) کی صاحب زادی کو پوری مؤطا یاد تھی۔ان کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے والد کے حلقۂ درس میں دروازے کی اوٹ سے شریک رہتی تھیں۔احادیث پڑھنے میں کوئی شخص غلطی کرتا تو وہ دروازہ کھٹکھٹادیا کرتی تھیں۔امام مالک سمجھ جاتے اور پڑھنے والے کی اصلاح کردیتے تھے۔ ۱۰؎

فاطمہ بنت منذر بن زبیر بن العوام عظیم محدثہ اورفقیہہ تھیں۔انھوں نے بہت سی

احادیث کی روایت کی ہے، خاص طور پر اپنی دادی حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے۔ ان کی بیش تر روایات ان کے شوہر حضرت ہشام بن عروہؒ (م ۱۴۶ھ) کے واسطے سے مروی ہیں۔ ۱۱؎

نفیسہ بنت الحسن بن زید بن الحسن بن علی بن ابی طالب (م ۲۰۸ھ)، جو امام جعفر صادقؒ کی بہو تھیں، بڑی صاحبِ علم و فضل خاتون تھیں۔ وہ اپنے شوہر اسحاق مؤتمن کے ساتھ مدینہ سے مصر چلی گئیں تو وہاں ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ چنانچہ لوگ علم کی پیاس بجھانے کے لیے جوق درجوق ان کے گھر کا رخ کرتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں سب سے مشہور نام امام شافعیؒ کا ہے، جو ان سے علمی استفادہ کے لیے برابر ان کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ سیدہ نفیسہ حدیث اور تفسیرِ قرآن دونوں کی بڑی عالمہ تھیں۔ انہیں پورا قرآن حفظ تھا۔ وہ احادیث بھی روایت کرتی تھیں۔ مورخین نے دونوں میدانوں میں ان کی عظمت و مہارت کا تذکرہ کیا ہے۔ زرکلی نے لکھا ہے: **عالمة بالتفسير و الحديث** ۱۲؎ (وہ تفسیر اور حدیث کی عالمہ تھیں۔) سیدہ نفیسہ کی علمی عظمت کا اعتراف ہی ہے کہ تاریخ میں ان کی شہرت 'نفیسة العلم' کے نام سے ہے۔

مساجد میں خواتین کے حلقے

آج اس موضوع پر مباحثے جاری ہیں کہ مساجد میں خواتین کا داخلہ جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ ابتدائی صدیوں میں خواتین کے علمی دروس کی مجلسیں منعقد ہونا ایک عام بات تھی۔ وہ اپنے گھروں میں، دوسروں کے گھروں میں، مسجدوں میں، مدارس اور رباطات میں، باغات میں اور دیگر مقامات میں مسندِ تدریس پر بیٹھتی تھیں اور ان سے استفادہ کرنے والوں میں مرد اور خواتین دونوں ہوتے تھے۔ اسلام میں تین مسجدوں (مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجد اقصیٰ) کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ مؤرخین نے صراحت کی ہے کہ ان سب میں خواتین کی علمی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں اور وہ باقاعدہ درس دیتی تھیں۔

مسجد حرام میں درس دینے والوں میں ام محمد سارہ بنت عبدالرحمن المقدسیة، مسجد نبوی میں درس دینے والی خواتین میں ام الخیر وام محمد فاطمہ بن ابراہیم بن محمود بن

جوھر البعلبکی المعروف بالبطائحی، قاضی القضاۃ شیخ تقی الدین سلیمان بن حمزہ کی بیوی زینب بنت نجم الدین اسماعیل المقدسیۃ، ام محمد زینب بنت احمد بن عمر المقدسیۃ اور مسجد اقصیٰ میں درس دینے والی خواتین میں ام الدرداء التابعیۃ اور ام محمد ھدیۃ بنت علی بن عسکر البغدادی (۸/ویں صدی ہجری) شہرت رکھتی ہیں۔

اسلامی تاریخ میں دمشق کی مسجد اموی کی بھی غیر معمولی اہمیت ہے۔اس میں بھی خواتین کی درس وتدریس کی مجلسیں قائم ہوتی تھیں۔ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ اس نے مسجدِ اموی کی زیارت کی اور وہاں متعدد خواتین، مثلاً زینب بنت احمد بن ابراہیم اور عائشہ بنت محمد بن مسلم الحرّانیۃ سے حدیث کی سماعت کی۔

خواتین۔ اکابرِ امت کی معلّمات

اسلام کے دورِ عروج میں خواتین کے افادہ کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ان سے دیگر خواتین بھی استفادہ کرتی تھیں اور مرد بھی فیض اٹھانے میں پیچھے نہیں رہتے تھے۔اس پر نہ صحابہ اور تابعین نے نکیر کی اور نہ بعد کی صدیوں میں محدثین اور فقہاء نے کبھی اس پر پابندی عائد کرنے کی کوشش کی۔خواتین کے فخر کے لیے یہ بات کافی ہے کہ ان کی مجلسوں میں بڑے بڑے علماء وفقہاء ومحدثین حاضر ہوتے تھے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ یہاں تاریخ اسلام کی چند اہم شخصیات اور ان کی معلّمات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے اپنی کتاب '**معجم شیوخ الذھبی**' میں، اسی طرح علامہ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے اپنی کتاب '**المعجم المؤسس للمعجم المفھرس**' میں اپنی بہت سے معلّمات اور شیخات کا ذکر کیا ہے۔انھوں نے 'الدرر الکامنۃ فی أعیان المایۃ الثامنۃ' اور 'انباء الغمر فی أنباء العمر' میں بہت سی خواتین کا تذکرہ کیا ہے۔ان کے شاگرد علامہ سخاویؒ (م ۹۰۲ھ) نے اپنی کتاب **الضوء اللامع لأھل القرن التاسع** کی ایک جلد خواتین کے لیے خاص کی ہے۔ انھوں نے ایک ہزار ستّر (۱۰۷۰) خواتین کا تذکرہ کیا ہے، جن میں سے زیادہ تر محدثات وفقیہات تھیں۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م۹۱۱ھ) نے متعدد خواتین سے علم حاصل کیا۔ مثلاً ام ہانی بنت الھووینی، ام الفضل بنت محمد المقدسی، خدیجہ بنت ابی الحسن المقن، نشوان بنت عبداللہ الکنانی، ھاجر بنت محمد المصریۃ، امۃ الخالق بنت عبداللطیف العقبی وغیرہ۔ انھوں نے اپنی معجم اور دیگر مؤلفات میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی روایات بیان کی ہیں۔ علامہ ابن حزمؒ (م ۴۵۶ھ) کی تعلیم وتربیت میں متعدد خواتین کا اہم کردار ہے، جنہوں نے انہیں قرآن کریم کی تعلیم دی، لکھنا پڑھنا سکھایا اور ان میں شعری ذوق پیدا کیا۔ اس کا ابن حزمؒ نے برملا اعتراف کیا ہے۔ خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳) نے طاہرہ بنت احمد بن یوسف التنوخیہ سے سماعت کی، جو بڑی محدثہ اور فقیہہ تھیں۔ جلیلۃ بنت علی بن الحسن الشجری نے عراق اور شام کا سفر کیا تو علامہ سمعانیؒ (م ۵۶۲ھ) اور دیگر علمائے کبار نے ان سے فیض اٹھایا۔ ابوعمرو مسلم بن ابراہیم الازدی الفراھیدیؒ (م ۲۲۲ھ) نے ستّر (۷۰) خواتین سے روایت کی ہے۔ اس طرح ابوالولید ہشام بن عبدالملک الطیالسیؒ (م ۲۲۷ھ) کے شیوخ میں بھی ستّر (۷۰) خواتین کے نام ملتے ہیں۔ حافظ ابن عساکرؒ (م ۵۷۱ھ) نے جن خواتین سے استفادہ کیا اور ان سے احادیث روایت کیں ان کی تعداد اسّی (۸۰) سے متجاوز ہے۔ ابوعبداللہ محمد بن محمود بن النجارؒ (م ۶۴۳ھ) کے اساتذہ اور شیوخ میں تین ہزار (۳۰۰۰) مرد اور چار سو (۴۰۰) خواتین تھیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب میں تیسری صدی ہجری کے اوائل تک آٹھ سو چوبیس (۸۲۴) خواتین کے نام ذکر کیے ہیں، جنھیں روایتِ حدیث میں شہرت حاصل تھی۔ علم حدیث کی اشاعت وترویج کے میدان میں زمانہ کے اعتبار سے بھی کتابیں لکھی گئی ہیں، مقام کے اعتبار سے بھی اور عمومی انداز میں بھی۔ [۱۳] ڈاکٹر محمد اکرم ندوی (آکسفورڈ) نے محدثات پر غیر معمولی اور زبردست کام کیا ہے۔ انہوں نے چالیس جلدوں میں دس ہزار سے زائد ایسی خواتین کا تذکرہ جمع کر دیا ہے جنہوں نے چودہ سو برس کے عرصے میں حدیثِ نبوی کی روایت، تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف کی خدمت انجام دی ہے۔ ان کی کتاب کا نام ہے: الوفاء فی أسماء النساء: تراجم نساء الحدیث النبوی الشریف۔ یہ ابھی منتظرِ اشاعت

ہے، البتہ اس کا مقدمہ انگریزی زبان میں Al-Muhaddithat(The women Scholars in Islam) کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔

علمِ حدیث کے علاوہ اسلامیات کے دیگر میدانوں، مثلاً تفسیرِ قرآن، علمِ قراءت اور فقہ میں بھی خواتین کی عظمت مسلّم تھی۔ مشہور تابعیہ حضرت ام الدرداء الصغریٰ، جن کا نام ھجیمۃ بنت حیی الاوصابیۃ تھا، انہیں علمِ قراءت میں مہارت حاصل تھی۔[ابن الجزری المقری، غایۃ النہایۃ فی طبقات القرّاء] فاطمہ نیشاپوریہ (چوتھی صدی ہجری) حافظۂ قرآن، عالمہ، مفسّرہ اور فقیہہ کی حیثیت سے مشہور ہوئیں۔ انھیں علمِ قراءت میں بھی کمال حاصل تھا۔ حج کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئیں تو وہاں درس دینا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ ان کا حلقۂ درس وسیع ہوتا گیا اور ان کی شہرت دور دراز علاقوں تک پہنچ گئی۔ اسی وجہ سے انھیں 'مفسّرہ فاطمہ نیشاپوریہ' کہا جاتا تھا۔ ۱۴؎ ام العز بنت محمد بن علی بن ابی غالب العبدری الدانی (۶۱۰ھ) کو قراءاتِ سبعہ میں مہارت حاصل تھی۔ ۱۵؎ خدیجۃ بنت ہارون (م ۶۹۵ھ) عمدہ قاریہ تھیں۔ ان کو قراءاتِ سبعہ میں مہارت حاصل تھی۔ فنِ قراءت کی کتاب 'الشاطبیۃ' انہیں پوری ازبر تھی۔ ۱۶؎ خدیجۃ بنت قیم البغدادیۃ (م ۶۹۹ھ) قرآن مجید کی بہت عمدہ قاریہ تھیں۔ بہت سے لوگوں نے ان سے تجوید اور قراءت کا علم حاصل کیا تھا۔ وعظ و ارشاد کی مجلسیں منعقد کرتی تھیں، جن میں لوگ بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ ۱۷؎ سلمیٰ بنت محمد الجزری (نویں صدی ہجری) اپنے وقت کی مشہور قاریہ تھیں۔ دس (۱۰) قراءتوں کے ساتھ قرآن پڑھتی تھیں۔ ۱۸؎ فاطمہ بنت محمد بن یوسف بن احمد بن محمد الدیروطی (نویں صدی ہجری) بڑی عالمہ و فاضلہ خاتون تھیں۔ انھیں علمِ قراءت میں مہارت حاصل تھی۔ ان سے عورتوں اور مردوں کی ایک بڑی جماعت نے استفادہ کیا۔ ۱۹؎ امۃ الواحد بنت الحسین بن اسماعیل (م ۳۷۷ھ) فقہ شافعی میں غیر معمولی درک رکھتی تھیں۔ اس کے علاوہ علم الفرائض، حساب اور نحو کی بھی ماہر تھیں۔ حدیث کی بھی روایت کرتی تھیں۔ فاطمہ البغدادیۃ کو فقہ حنبلی کے تمام اصول و فروع میں خوب مہارت حاصل تھی۔ انہیں علامہ ابن قدامہؒ المقدسی کی کتاب

المغنیپوری از بر تھی۔ ان سے فقہ حنبلی کے بارے میں کوئی سوال کیا جاتا تو اس کا نصوص کی روشنی میں جواب دیتی تھیں۔ انہوں نے فقہ کی تعلیم علامہ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) سے حاصل کی تھی۔ ۲۰؎ ست الوزراء (م ۷۳۶ھ) کو فقہ حنفی میں مہارت حاصل تھی۔ انھوں نے امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کی فقہ کا زیادہ تر حصہ یاد کر رکھا تھا۔ ۲۱؎

خواتین کا ایک اہم ترین اعزاز

علمِ حدیث کے میدان میں خواتین کے شرف اور فخر کے لیے یہ بات کافی ہے کہ جہاں احادیث کی روایت کرنے والے مردوں کی بڑی تعداد کو متّہم کیا گیا ہے، ان پر وضعِ حدیث کا الزام لگایا گیا ہے اور ضعف کی وجہ سے ان کی روایات قبول نہیں کی گئی ہیں، وہاں ایک عورت بھی ایسی نہیں پائی گئی جو اس 'عیب' سے داغ دار ہو۔ امام الجرح والتعدیل علامہ شمس الدین ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے صاف الفاظ میں اس کی شہادت دی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

وما علمت فی النساء من اتُّهمت، ولا من ترکوها ۲۲؎

(مجھے نہیں معلوم کہ روایتِ حدیث میں ایک بھی عورت متّہم ہوئی ہو اور نہ محدثین نے ضعف کی وجہ سے کسی ایک عورت کو ترک کیا ہے۔)

خواتین۔ مردوں سے آگے

تاریخ اسلام میں ایسی بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ کتاب وسنت کے فہم اور علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت میں خواتین کا کردار مردوں سے بڑھ کر رہا ہے۔ یہاں چند ایسی ممتاز خواتین کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:

مشہور تابعیہ حضرت حفصہ بنت سیرینؒ (۱۰۱ھ) بلند پایہ کی محدثہ تھیں۔ فہمِ قرآن میں بھی ان کا مقام بہت اعلیٰ تھا۔ علم قراءت میں ان کو اس قدر مہارت حاصل تھی کہ جب ان کے بھائی محمد بن سیرینؒ کو کوئی مشکل پیش آتی تو فرماتے:

''حفصہ سے پوچھو کہ وہ کیسے پڑھتی ہیں؟'' ۲۳؎

شیخہ صالحہ (چھٹی صدی ہجری) عبدالواحد بن محمد بن علی بن احمد الشیر ازی (جو ابوالفرج کے لقب سے مشہور تھے) کی صاحب زادی اور زین الدین علی بن ابراہیم بن نجا (جو ابن النجیّہ کے نام سے معروف تھے) کی والدہ تھیں۔ شیخ ابوالفرج اپنے وقت میں شام کے مشہور شیخ اور فقہ حنبلی کے امام تھے۔ فقہ میں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ انہوں نے کتاب الجواھر کے نام سے تیس (۳۰) جلدوں میں ایک تفسیر لکھی تھی۔ ان کی صاحب زادی نے وہ پوری تفسیر یاد کرلی تھی۔ زین الدین بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے ماموں سے تفسیر پڑھتا تھا۔ جب میں اپنی والدہ کے پاس آتا تو وہ مجھ سے دریافت کرتیں کہ آج تمہارے ماموں نے کس سورہ کی تفسیر بیان کی؟ اور انہوں نے کیا کیا باتیں بتائیں؟ جب میں انھیں بتاتا تو وہ پوچھتیں کہ فلاں سورہ کی تفسیر میں انہوں نے فلاں بات بتائی؟ میں جواب دیتا: نہیں، تو وہ فرماتیں: تمہارے ماموں نے فلاں آیت کی تفسیر میں فلاں فلاں باتیں چھوڑ دی ہیں۔ ۲۴ے

فاطمہ بنت محمد بن احمد السمر قندی (م ۵۸۱ھ) فقہ حنفی میں بہت شہرت رکھتی تھیں۔ ان کے والد مشہور محدث اور فقیہ تھے۔ فاطمہ نے ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور اس میں کمال پیدا کیا۔ انہیں اپنے والد کی کتاب 'تحفۃ الفقہاء' پوری از بر تھی۔ فقہ میں ان کی مہارت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے والد کے پاس کوئی استفتا آتا تو وہ اپنی صاحب زادی سے مشورہ کرتے تھے، پھر وہ جواب تیار کرتیں اور اس پر باپ اور بیٹی دونوں کے دستخط ہوتے۔ فاطمہ کا نکاح ان کے والد نے اپنے عزیز شاگرد علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی سے کردیا تھا۔ کاسانی کو ان کی تصنیف 'بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع' کی وجہ سے علمی دنیا میں بہت شہرت حاصل ہوئی۔ فاطمہ کا علمی فیض نکاح کے بعد بھی جاری رہا۔ وہ اپنے گھر میں درس کے حلقے لگاتی تھیں۔ ان سے بہت بڑی تعداد میں لوگوں نے استفادہ کیا۔ شیخ کاسانی بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کا لقب 'ملک العلماء' تھا، لیکن ان کی بیوی فاطمہ ان سے بڑھ کر تھیں۔ سوانح نگاروں نے لکھا ہے:

انّھا کانت تنقل المذھب نقلا جیّداً، و کان زوجھا الکاسانی

ربّما يَهِم في الفتویٰ فتردّه الی الصواب، وتعرّفه وجه الخطأ، فیرجع الی قولها۔ ۲۵؎

(وہ (حنفی) مسلک کی بہت اچھی طرح ترجمانی کرتی تھیں۔ان کے شوہر کاسانی کو بسااوقات کوئی مسئلہ بیان کرتے ہوئے وہم ہوجاتا تو فاطمہ اس کی تصحیح کردیتی تھیں اور انھوں نے کیا غلطی کی ہے؟ یہ بھی بتادیتی تھیں۔ چنانچہ کاسانی ان کی تصحیح کو قبول کرلیتے تھے۔)

علمِ حدیث کے میدان میں شیخ ابوالحجاج جمال الدین یوسف المزّی (م ۷۴۲ھ) کی خدمات سے اسلامیات سے دل چسپی رکھنے والا ہر طالب علم اچھی طرح واقف ہے۔خاص طور سے فن اسماء الرجال میں انہیں یدِطولیٰ حاصل تھا۔ان کی تصانیف: **تهذيب الكمال في أسماء الرجال، تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف** اور **المنتقیٰ من الفوائد الحسان في الحديث** اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔شیخ مزی کو جتنی مہارت اور شہرت علم حدیث اور رجال کے میدان میں تھی، اتنی ہی، بلکہ اس سے زیادہ مہارت اور شہرت سے ان کی زوجہ عائشہ بنت ابراہیم بن صدیق (جو ام فاطمہ کے لقب سے مشہور تھیں) علم تجوید و قراءتِ قرآن کے میدان میں بہرہ ور تھیں۔ وہ بہترین قاریہ تھیں۔ ۷۴۱ھ میں اسّی (۸۰) برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔نصف صدی سے زائد عرصہ انھوں نے قرآن کی تعلیم و تدریس میں گزارا اور ہزاروں مردوں اور عورتوں نے ان سے استفادہ کیا۔ان سے یہ فن سیکھنے والوں میں ان کی صاحب زادی امۃ الرحیم زینب بھی تھیں، جو مشہور مفسر، محدث اور مؤرخ علامہ ابن کثیر الدمشقیؒ (م ۷۷۴ھ) کی زوجہ تھیں۔ ابن کثیرؒ جہاں شیخ مزّی کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں، وہیں انھوں نے اپنی خوش دامن صاحبہ سے بھی علمی استفادہ کیا تھا۔ابن کثیرؒ نے ان کا تذکرہ بڑے اچھے انداز میں کیا ہے:

''اپنے زمانے کی عورتوں میں کثرتِ عبادت، تلاوتِ قرآن اور فصاحت و بلاغت اور صحیح ادا کے ساتھ قرآن پڑھانے کے معاملے میں کوئی دوسرا ان کا ہم سر نہ تھا۔انھوں نے بہت سی عورتوں کا قرآن ختم کروایا اور بے شمار عورتوں نے ان سے قرآن پڑھا۔'' ۲۶؎

ان کے بارے میں ابن کثیرؒ کا یہ جملہ باعثِ حیرت ہے:

''ان کی طرح کی قراءت کرنے سے بہت سے مرد حضرات عاجز تھے۔'' ۲۷؎

خواتین اور تصنیف و تالیف

البتہ جہاں تک علوم اسلامیہ میں تصنیف و تالیف کا معاملہ ہے، اس سلسلے میں خواتین بہت پیچھے رہی ہیں۔ شیخ محمد خیر رمضان یوسف نے تذکرہ وتراجم کی کتابوں میں بہت غائرانہ انداز سے تفتیش و تفحّص کے بعد اپنی کتاب **المؤلِّفات من النساء و مؤلَّفاتهن في التاريخ الاسلامي** میں ۱۲۰۰ھ تک چھتیس (۳۶) مؤلّفات کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کی کتابوں کی تعداد عربی زبان میں سو (۱۰۰) سے زیادہ نہ ہوگی۔ ۲۸؎ انہوں نے اس موضوع پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے کہ خواتین کی جانب سے تصنیف و تالیف میں کمی کے اسباب کیا ہیں؟ انہوں نے تین اسباب بیان کیے ہیں:

۱۔ تصنیف و تالیف ذہنی سکون واطمینان اور کسی حد تک فرصت وفراغت کا تقاضا کرتی ہے، جب کہ خواتین اپنی فطری مصروفیات، مثلاً حمل، ولادت، رضاعت، بچوں کی پرورش اور گھریلو کاموں میں مصروفیت وغیرہ کی وجہ سے بیش تر اوقات اس سے عموماً محروم رہتی ہیں۔

۲۔ خواتین کی رغبت عموماً تحریر و تصنیف کے مقابلے میں کہنے سننے کی طرف زیادہ رہتی ہے۔ اسی لیے ان کی صلاحیتوں کا اظہار شاعری، ادب، لغت اور انسانی و وجدانی علوم میں دیگر میدانوں کے مقابلے میں زیادہ ہوا ہے۔ علم حدیث کی بنیاد سماع وروایت پر ہے، اس کے لیے تحریر شرط نہیں ہے، اسی لیے اس میں خواتین کی صلاحیتوں کا غیر معمولی اظہار ہوا ہے اور ہزاروں کی تعداد میں محدّثات پیدا ہوئی ہیں۔

۳۔ خواتین کی بہت سی تصنیفات، جو ایک عرصہ تک امت کے درمیان متداول تھیں، حوادثِ زمانہ کی نذر ہوگئیں اور مورخین اور تذکرہ وتراجم کی کتابیں تالیف

کرنے والوں نے ان صاحبِ تصنیف خواتین کے حالات لکھنے سے تغافل برتا۔اس لیے کہ عموماً پردہ نشیں خواتین کے حالات جمع کرنے میں بہت دشواریاں تھیں۔۲۹؎

موجودہ دور میں خواتین کی علمی خدمات

یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ گزشتہ دوصدیوں میں تعلیمِ نسواں کوفروغ ملا ہے اورخواتین کے لیے تحصیلِ علم کے مواقع بڑھے ہیں۔دینی وعصری تعلیم کے مراکز، مدارس اور جامعات قائم ہوئے ہیں، جن میں طالبات کو داخلہ ملا ہے اور ان کے لیے مخصوص درس گاہیں بھی قائم کی گئی ہیں۔اس طرح خواتین کو اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور اپنے جوہر دکھانے کے لیے وسیع میدان ہاتھ آیا ہے، زیورِ علم سے آراستہ ہوکر انھوں نے درس وتدریس کا کام بھی سنبھالا ہے، اس طرح ان کا علمی فیض عام ہوا ہے اور امت کوان سے فائدہ پہنچا ہے۔

قرآنیات اورسیرت نگاری کے میدان میں بیسویں صدی کی خواتین میں ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمن بنت الشاطی (۱۹۱۳۔۱۹۹۸ء) کا نام بہت نمایاں ہے۔انہوں نے عربی زبان وادب کی اعلیٰ تعلیم قاہرہ یونی ورسٹی سے حاصل کی، پھرمختلف ممالک میں تدریسی خدمت انجام دیں، لیکن پھر ان کا رجحان قرآنیات کی طرف ہوا۔ وہ جامعۃ القرویین مراکش میں شعبۂ تفسیر میں پرفیسر رہی ہیں۔ وہ پہلی خاتون ہیں جس کے جامع ازہر میں لیکچر ہوئے۔انہیں بہت سے ایوارڈز سے نوازا گیا، جن میں سے ایک عالمِ اسلام کا اعلیٰ اعزاز کا شاہ فیصل ایوارڈ ہے، جو انہیں ۱۹۹۴ء میں اسلامیات اور خاص طور پر قرآنیات کے میدان میں اعلیٰ خدمات انجام دینے پر دیا گیا۔بنت الشاطی کی تصانیف کی تعداد چالیس (۴۰) سے زائد ہے۔ خاندانِ نبوت کی خواتین پر ان کی تیارکردہ سیریز میں **أمّ النبي**، **نساء النبي**، **بنات النبي** اور **زینب بطلۃ کربلا** شامل ہیں۔اس کے علاوہ قرآنیات پر ان کی تصانیف میں **التفسیر البیاني للقرآن الکریم**، **الاعجاز البیاني للقرآن الکریم**، **القرآن والتفسیر العصري** اور **مقال في الانسان** اہمیت رکھتی ہیں۔تفسیرِ قرآن میں ان کا ایک خاص منہج ہے، وہ یہ کہ جس موضوع پر مطالعہ مقصود

ہو اس سے متعلق قرآن کی تمام آیات جمع کرلی جائیں، پھر ان پر غور وفکر کیا جائے تو اس سے نئے نئے معانی مستنبط ہوتے ہیں۔علومِ قرآن اور اصولِ تفسیر سے متعلق ان کی اور بھی آراء ہیں، جو ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ یہ منہجِ تفسیر انھوں نے اپنے استاذ شیخ امین الخولی (۱۸۹۵۔۱۹۶۶ء) سے، جو ان کے شوہر بھی تھے، حاصل کیا ہے۔۳۰؎

زینب الغزالی (م ۱۴۲۶ھ) کا شمار موجودہ دور کی ان خواتین میں ہوتا ہے جنھیں اپنی دعوتی اور تحریکی سرگرمیوں کی وجہ سے عالمی سطح پر شہرت حاصل ہے۔ وہ اخوان المسلمون سے وابستہ سرکردہ خواتین میں سے تھیں۔ ان کی پوری زندگی اسلام کی راہ میں جدّ و جہد اور قربانی سے عبارت ہے۔عرصہ تک انھوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں ۔ آزادی ملی تو اپنا سارا وقت درس و تدریس، وعظ و ارشاد اور تصنیف و تالیف میں گزارا۔ یوں تو دینی موضوعات پر ان کی متعدد تصانیف ہیں، لیکن ان میں سب سے اہم ان کی تفسیر ہے، جو 'نظرات فی کتاب اللہ' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس کی پہلی جلد سورۂ ابراہیم تک (۷۱۱ صفحات) ۱۴۱۴ھ میں دار الشروق قاہرہ سے شائع ہوئی تھی۔مکمل تفسیر (۱۳۰۰ صفحات) دار التوزیع والنشر الاسلامیہ قاہرہ سے منظر عام پر آئی ہے۔اس تفسیر میں دعوتی اسلوب نمایاں ہے۔۳۱؎

موجودہ دور کی مفسّرات میں ایک اہم نام محترمہ نائلہ ہاشم صبری کا ہے، جو فلسطین کے مشہور مفتی اور خطیب شیخ ڈاکٹر عکرمہ سعید صبری کی زوجہ ہیں۔ ان کی سرگرمیاں علمی اور عملی دونوں میدانوں میں ہیں۔ وہ بہت سے رفاہی اداروں اور سماجی تنظیموں سے وابستہ ہیں۔ان کی متعدد تصانیف دینی موضوعات پر شائع ہوئی ہیں، جن میں سے ایک '**کواکب النساء**' ہے، جس میں پانچ سو (۵۰۰) سے زائد خواتین کے تذکرے جمع کیے ہیں۔ان میں امہات المومنین، صحابیات، محدثات، فقیہات، زاہدات اور حکوت و سیاست اور شعر و ادب سے دل چسپی رکھنے والی خواتین شامل ہیں۔انھوں نے **المبصر لنور القرآن** کے نام سے ایک مبسوط تفسیر لکھی ہے، جس کا پہلا ایڈیشن

گیارہ(۱۱) جلدوں میں ، جب کہ دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۸ء میں سولہ (۱۶) جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ یہ تفسیر بالمأثور کی ایک نمائندہ تفسیر ہے،جس میں حالاتِ حاضرہ سے ربط کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ ۳۲؂

ان کے علاوہ خواتین کے ذریعہ تیار ہونے والی تفسیروں میں ماجدہ فارس الشمری کی **التوضیح و البیان فی تفسیر القرآن** (۸؍جلدیں) فوقیہ ابراہیم الشربینی کی **تیسیر التفسیر** (۴؍جلدیں)، فاطمہ کریمان حمزہ کی **اللؤلؤ و المرجان في تفسیر القرآن** اور ترکی زبان میں سمرا کورون کی تفسیر القاری (۱۳؍جلدیں) خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

خواتین نے جزئی تفسیریں بھی لکھی ہیں،مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے مکمل یا نامکمل ترجمے کیے ہیں اور علوم القرآن کے مختلف پہلوؤں پر کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ ان میں قراءت، تجوید، فصاحت و بلاغت، تدبرِ قرآن، اقسام القرآن اور لغوی و بلاغی موضوعات و مباحث شامل ہیں۔ قرآنیات کے علاوہ حدیث، سیرت اور فقہ میں بھی خواتین کی علمی کاوشیں اہمیت کی حامل ہیں۔موجودہ دور میں عالم عرب میں علوم اسلامیہ میں تصنیف و تالیف کی خدمات انجام دینے والی خواتین میں حنان لحام، عفاف عبدالغفور حمید، لطیفہ قزامل، ہیفاء عثمان، علامہ محمد ناصر الدین الالبانی کی صاحب زادیاں: حسانۃ اور سکینۃ، امانی بنت عاشور، عزیزہ یونس، وسیمہ عبدالمحسن، ام معن، ربیعۃ الکعبی، سعاد عبد الحمید، آمال محمد عبد الرحمن، صباح عبد الکریم، منیرہ الدوسری، سحر سویلم، ہند شلبی، عائشہ غلوم، سحر عبد العزیز، کاملہ الکواری، صفیہ عبد الرحمن السحیبانی، اسماء المرائط، عصمۃ الدین کرکرا، موینہ طراز، نادیہ شرقاوی، فاطمہ ماردینی اور فاطمہ اسماعیل خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ان کی تصانیف نے علوم اسلامیہ میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ ۳۳؂

برِّ صغیر میں خواتین کے ذریعے علمی کاموں کی سرپرستی

برِّ صغیر ہند میں بھی علومِ اسلامیہ کے فروغ میں خواتین کی زرّیں خدمات رہی

ہیں۔ انھوں نے اشاعتِ علم کی سر پرستی کی ہے اور اعلیٰ معیار کے علمی کام انجام دیے ہیں۔

مغل حکم راں اورنگ زیب (م ۱۱۱۸ھ) کی صاحب زادی زیب النساء نے شیخ صفی الدین ولی قزوینیؒ سے قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کروایا تھا۔ ساتھ ہی امام رازیؒ (م ۶۰۶ھ) کی تفسیر کبیر کا بھی فارسی ترجمہ کروایا تھا۔ ۳۴؎ ماضی قریب میں ریاست بھوپال کی حکم راں نواب خواتین نے علمی سر پرستی کی مثال قائم کی ہے۔ انہوں نے خوب فیاضی سے تعلیمی اداروں کی مالی امداد کی ہے اور خطیر سرمایہ صرف کر کے علمی کام کرایے ہیں۔ نواب سکندر جہاں بیگم (م ۱۸۶۸ء) نے شیخ احمد داغستانی سے ترکی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کروایا۔ ان کی صاحب زادی اور جانشین نواب شاہ جہاں بیگم نے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ کا بھر پور مالی تعاون کیا۔ انہوں نے مولانا جمال الدین وزیر ریاست بھوپال سے پشتو زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کروایا۔ ۳۵؎ ان کی صاحب زادی اور جانشین نواب سلطان جہاں بیگم نے بہت سی دینی درس گاہوں اور تعلیمی اداروں کو مالی امداد فراہم کی، جن میں علی گڑھ، دیو بند اور ندوہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ۳۶؎ انہوں نے ہی سیرۃ النبی کی تالیف کے لیے علامہ شبلی نعمانیؒ کو گراں قدر مالی تعاون دیا۔ ۳۷؎ جس زمانے میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مرکزی عمارت زیر تعمیر تھی، ریاست بہاول پور کی خاتون محترمہ فلک احتجاب نے اس مد میں اپنے جیبِ خاص سے پچاس ہزار روپے عطا کیے تھے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے انہیں 'زندہ زبیدہ خاتون' کا لقب دیا ہے اور ان کی فیاضی اور علم دوستی کی ستائش کی ہے۔ ۳۸؎

اسلامیات میں کام کرنے والی چند اہم خواتین

برصغیر میں خواتین کے ذریعے انجام پانے والے علمی کاموں کا دائرہ تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت نبوی، تاریخ اور اسلامیات کے دیگر مضامین پر مشتمل ہے۔ اردو تفاسیر میں ماضی قریب میں ہندوستان میں محترمہ ثریا شحنہ کی 'تبیین القرآن فی تفسیر القرآن' (طبع حیدر آباد، انڈیا ۲۰۱۲ء) اور پاکستان میں محترمہ شکیلہ افضل کی 'تسہیل

البیان فی تفسیر القرآن' (طبع لاہور، ۲۰۱۳ء) شائع ہوئی ہیں۔ اہلیہ مولانا عزیز گلؒ (نو مسلمہ، م ۱۹۶۶ء) نے اپنے شوہر کے ساتھ مل کر انگریزی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا، لیکن غالباً وہ زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکا۔۳۹ ڈاکٹر فریدہ خانم (سابق پروفیسر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی) نے اپنے والد مولانا وحید الدین خاں کے انگریزی ترجمۂ قرآن پر نظر ثانی کی ہے اور ان کی تفسیر 'تذکیر القرآن' کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر فرحت ہاشمی نے اپنے ادارہ 'الھدیٰ انٹرنیشنل' کے ذریعے قرآن فہمی کی ایک کام یاب تحریک برپا کی ہے۔ ان کی قرآن کلاسز کو عالمی شہرت حاصل ہوئی ہے۔ ترجمۂ قرآن اور تفسیر پر مشتمل ان کے لیکچرز کی سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز اور کیسٹس خواتین کے درمیان دنیا بھر میں مقبول ہیں۔ ان کا ترجمۂ قرآن بھی چند سال قبل (دو جلدوں میں) الھدیٰ پبلی کیشنز اسلام آباد سے شائع ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہندو پاک میں علومِ قرآن کے مختلف پہلوؤں پر خواتین کی تصنیفات کی ایک معتد بہ تعداد ہے، جن کا یہاں تذکرہ کرنا ممکن نہیں۔۴۰

سیرتِ نبویؐ پر بھی خواتین نے محبت، عقیدت اور تحقیق کے ساتھ خامہ فرسائی کی ہے اور معیاری کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ڈاکٹر رؤفہ اقبال (علی گڑھ) کی کتاب 'عہد نبویؐ کے غزوات وسرایا' اور محترمہ نجمہ راجہ یٰسین (تلنگانہ) کی کتاب 'عہدِ نبویؐ کا بلدیاتی نظم ونسق' ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہوں سے شائع ہوئی ہے۔ محترمہ شہناز کوثر (لاہور) اور محترمہ نگہت ہاشمی (بہاول پور) نے سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ ڈاکٹر سعدیہ غزنوی کی کتابیں 'نبی کریم ﷺ بہ طور ماہر نفسیات' اور 'اسوۂ حسنہ اور علم نفسیات' سیرت کے ایک اہم موضوع پر روشنی ڈالتی ہیں۔ محترمہ عطیہ خلیل عرب نے مشہور عرب ادیب توفیق الحکیم کی کتابِ سیرت 'محمد ﷺ' اور محترمہ عذرا نسیم فاروقی نے جدید دور کے مشہور سیرت نگار ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی کتاب 'المجتمع المدنی فی عصر النبوۃ' کو اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ محترمہ ام عبد منیب نے سیرت نبوی پر

ایک ضخیم انسائیکلو پیڈیا (۶۸۸ رصفحات) سوال و جواب کے طرز پر تیار کیا ہے۔ جناب حافظ محمد عارف گھانچی نے سیرت پر اردو زبان میں لکھی جانے والی نئی تصنیفات کی جو کتابیات تیار کی ہے اس میں خواتین کے ذریعے لکھی جانے والی کتابوں کی تعداد اسّی (۸۰) متجاوز ہے۔ [۴۱] ظاہر ہے، اس میں خواتین کی کتبِ سیرت کا استیعاب ممکن نہ تھا، دوسرے اس میں ایک محدود زمانے کا احاطہ کیا گیا ہے۔

محترمہ مریم جمیلہ (م ۱۴۳۳ھ) نے اسلامیات کے میدان میں غیر معمولی خدمت انجام دی ہے۔ انھوں نے مغربی فکر و تہذیب اور اس کی مادہ پرستانہ قدروں پر پورے اعتماد کے ساتھ بھرپور تنقید کی، سیکولرزم اور جدیدیت پر مبنی نظریات کا محاسبہ کیا اور فکرِ اسلامی کا کامیاب دفاع کیا۔ ان کی تحریریں معذرت خواہانہ لب و لہجہ سے پاک ہیں۔ انھوں نے اسلام کو موجودہ دنیا کے لیے بہ طور متبادل پیش کیا۔ انگریزی زبان میں ان کی تصانیف، جن کی تعداد تقریباً تین درجن ہے، اسلامی لٹریچر میں قابل قدر سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں سے متعدد کتابوں کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ [۴۲]

اسلامی تاریخ میں لکھنے والی موجودہ دور کی خواتین میں ایک معتبر نام پروفیسر نگار سجاد ظہیر کا ہے۔ ان کے ادارہ 'قرطاس' نے اسلامی تاریخ پر دیگر مصنفین کی متعدد طبع زاد کتابیں اور قدیم عربی کتابوں کے تراجم شائع کیے ہیں۔ خود موصوفہ کی کتابیں (مطالعۂ تہذیب، شعوبیت، عرب اور موالی، مختار ثقفی، حجاج بن یوسف، خوارج، جدید ترکی وغیرہ) فنِ تاریخ میں ان کی عظمت کا عمدہ ثبوت پیش کرتی ہیں۔

دیگر ممالک میں بھی خواتین نے اہم دینی و علمی خدمات انجام دی ہیں۔ خاص طور سے مغربی ممالک میں خواتین کے قلم سے اسلامیات کے مختلف پہلوؤں پر قابل قدر تصانیف سامنے آئی ہیں۔ ان میں وہ خواتین بھی ہیں جن کا تعلق دیگر مذاہب سے ہے، لیکن انھوں نے اسلامیات سے دل چسپی لی ہے اور جو تحقیقات پیش کی ہیں انھیں عالمی پیمانے پر قبولِ عام حاصل ہوا ہے۔

خواتین کی علمی ترقی میں جامعات کا کردار

گزشتہ صدی کے اوائل سے لڑکیوں کی تعلیم کا رجحان بڑھا، ان کے لیے مخصوص تعلیمی ادارے قائم ہوئے اور عصری جامعات میں بھی انھیں داخلہ کے مواقع ملے تو ان کی علمی صلاحیتوں کو جلا ملی اور انھوں نے اسلامیات کے مختلف میدانوں میں ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات تحریر کیے۔ یہ مقالات علوم اسلامیہ کے تمام موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ ان سے خواتین کے تخلیقی صلاحیتوں کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان میں قدیم وجدید مفسرین کے مناہجِ تفسیر کا تعارف کرایا گیا اور ان کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ کیا ہے، سماجی، معاشی اور سیاسی موضوعات پر قرآن وحدیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے، سیرتِ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر عصر حاضر کے تناظر میں تحقیق کی گئی ہے، نئے پیش آمدہ سماجی اور فقہی مسائل کا جائزہ لیا گیا ہے اور مقاصدِ شریعت کی روشنی میں ان کا حل پیش کیا گیا ہے۔

عصری جامعات کا قیام عرب اور مسلم مما لک میں بڑے پیمانے پر ہوا ہے۔ ان میں سے بعض مخلوط تعلیم فراہم کرتی ہیں۔ ان میں طلبہ کے ساتھ طالبات داخلہ لے کر تعلیم حاصل کرتی ہیں اور بعض تعلیمِ نسواں کے لیے خاص ہیں۔ ان اداروں میں طالبات کے ذریعے اسلامیات پر خاصا کام ہوا ہے اور بڑی تعداد میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کے مقالے تیار ہوئے ہیں۔ برصغیر ہند وپاک میں بھی طالبات میں اعلیٰ تعلیم کے تحصیل کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے اور وہ عصری جامعات میں داخلہ لے کر ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کر رہی ہیں۔ پاکستان اور ہندوستان دونوں جگہوں پر عصری جامعات میں دینیات (Theology) اور اسلامیات (Islamic Studies) کی فیکلٹیز قائم ہوئی ہیں اور ان کے تحت قرآن، حدیث، سیرت، اسلامی تاریخ اور دیگر مضامین کے الگ الگ شعبے قائم ہوئے ہیں اور ان کے تحت طالبات نے تحقیقی مقالات لکھے ہیں۔ خاص طور سے پاکستان کی عصری جامعات میں طالبات کے ذریعہ علوم

اسلامیہ پر خاصا کام ہوا ہے۔ ۴۳؎ کسی قدر کام ہندوستان میں بھی ہو رہا ہے۔ لیکن افسوس کہ ان تحقیقی مقالات میں سے صرف چند ہی زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکے ہیں۔ اس بنا پر عصری جامعات میں خواتین کے ذریعہ انجام پانے والے علمی کاموں کا نہ تو پوری طرح تعارف ہوسکا ہے اور نہ ان سے استفادہ کی کوئی سبیل نکل سکی ہے۔

خواتین کے علمی کاموں کے تعارف کی ضرورت

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی علوم میں خواتین کی خدمات کا کما حقہ تعارف اب تک نہیں کرایا جاسکا ہے اور نہ ان کے بارے میں عموماً لوگوں کو کچھ معلومات ہیں۔ تذکرہ وتراجم کی کتابیں بھی ان کے ذکر سے تقریباً خاموش ہیں۔ مثال کے طور پر ابن الجزری المقریؒ (م ۸۳۳ھ) نے اپنی کتب **غاية النهاية في طبقات القرّاء** میں تین ہزار نوسو پچپن (۳۹۵۵) قاریوں کا تذکرہ جمع کیا ہے، جن میں سے قاریات صرف تین (۳) ہیں۔ اسماعیل بغدادی نے اپنی کتاب **هدية العارفين في أسماء المؤلّفين و آثار المصنّفين** میں صرف دو (۲) صاحبِ تصنیف خواتین کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح زرکلی کی **الأعلام** میں تیرہ (۱۳) اور عمر رضا کحالہ کی **أعلام النساء** میں صرف دس (۱۰) ایسی خواتین کا تذکرہ ہے جنہوں نے کسی موضوع پر تصنیف وتالیف کا کام کیا ہے۔

ضرورت ہے کہ خواتین کے علمی کاموں کے تعارف کی طرف توجہ دی جائے، انھیں تحقیق کا موضوع بنایا جائے اور ان کو نمایاں کیا جائے۔

مستقبل کا منظر نامہ

علومِ اسلامیہ کے میدان میں خواتین کی موجودہ پیش رفت کو اطمینان بخش کہا جاسکتا ہے، لیکن ان سے مزید کی توقع رکھنا بے جا نہ ہوگا۔ جس طرح ان کا ماضی درخشاں اور تابناک رہا ہے اسی طرح مستقبل میں بھی امید ہے کہ ان کے ذریعہ علوم اسلامیہ کے مختلف میدانوں میں قابلِ قدر اور معیاری کام سامنے آئے گا۔

حواشی ومراجع

۱۔ مولانا سید جلال الدین عمری نے صدر اول کی مسلم خواتین کی دینی وعلمی خدمات پر تفصیل سے لکھا ہے اور علوم وفنون کی اشاعت میں ان کے امتیازی کردار کو خوب نمایاں کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے: 'عورت اسلامی معاشرے میں' اور 'عورت اور اسلام'، شائع شدہ از مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔

۲۔ ابن خلکان، وفیات الأعیان، تحقیق: احسان عباس، دار صادر بیروت، ۱۹۸۷ء، ۲/ ۳۱۴

۳۔ الزرکلی، الاعلام، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۸۷ء، طبع ۱۲، ۳/۹۴

۴۔ عمر رضا کحالۃ، اعلام النساء، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۳/ ۱۹۴

۵۔ حوالہ سابق، ۵/ ۴۰

۶۔ حوالہ سابق، ۲/ ۳

۷۔ ڈاکٹر فریدہ خانم، امہات المومنین، الرسالہ بک سینٹر نئی دہلی ۲۰۰۱ء، ص۹۔۱۰

۸۔ اعلام الموقعین، ابن قیم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۶ء، ۱/ ۱۰۔ ۱۲

۹۔ ابن الحاج، المدخل، ۱/ ۲۱۵، ابن سعد، الطبقات، ۵/ ۱۳۸، ابونعیم، حلیۃ الاولیاء، ۲/ ۱۶۷

۱۰۔ ابن فرحون، الدیباج المذھب فی أعیان علماء المذھب، ۱/ ۸۶

۱۱۔ ابن حجر العسقلانی، تھذیب التھذیب، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء، طبع دوم، ۱۲/ ۴۴۴

۱۲۔ الزرکلی، الاعلام، ۸/ ۴۴

۱۳۔ مثلاً ملاحظہ کیجیے: **آمال قرداش بنت الحسین، دور المرأة في خدمة الحديث في القرون الثلاثة الأولى، وزارة الأوقاف، الدوحة، ۱۴۲۰ھ، صالح يوسف معتوق، جهود المرأة في رواية الحديث (القرن الثامن الهجري)، دار البشائر الاسلامية، بيروت، الدكتور محمد بن عزوز، جهود المرأة الدمشقية في رواية الحديث الشريف، الشيخ مسهور حسن سلمان، عناية النساء بالحديث النبوي، عالية عبد الله محمد بالطو، الأستاذة المساعدة بكلية اعداد المعلمات بمكة المكرمة، تراجم المحدثات من التابعيات و مروياتهن في الكتب الستة: جمع و دراسة و تعليق، (رسالة ماجستير)**

۱۴۔ عمر رضا کحالۃ، أعلام النساء، ۴/ ۱۴۷۔ ۱۴۸
۱۵۔ حوالہ سابق، ۳/۲۶۹
۱۶۔ حوالہ سابق، ۱/ ۳۴۵
۱۷۔ حوالہ سابق، ۱/۳۳۹
۱۸۔ بدوی خلیل، شھیرات النساء، ص ۱۴۵
۱۹۔ عمر رضا کحالۃ، أعلام النساء، ۴/ ۱۴۱
۲۰۔ زین الدین ابوالفرج البغدادی، کتاب الذیل علی طبقات الحنابلۃ لابن رجب، مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ القاھرۃ، ۱۹۵۳، ۱/ ۴۴۰
۲۱۔ عمر رضا کحالۃ، أعلام النساء، ۲/ ۱۷۴
۲۲۔ ذہبی، میزان الاعتدال، ۴/ ۶۰۴
۲۳۔ ابن الجوزی، صفۃ الصفوۃ، تحقیق: خالد طرطوسی، دار الکتاب العربی بیروت، ۲۰۱۲ء، ص ۶۰۷
۲۴۔ ابن رجب، الذیل علی طبقات الحنابلۃ، ۴/ ۴۶۷
۲۵۔ فاطمہ السمر قندیہ کے حالات کے لیے ملاحظہ کیجئے: ابن ابی الوفاء القرشی، الجواھر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ، ۴/ ۱۲۲۔ ۱۲۴، زینب بنت علی العاملی، الدرّ المنثور فی طبقات ربّات الخذور، ص ۳۶۷، ابن قطلو بغا، تاج التراجم، ص ۲۵۲، ۳۲۷۔ ۳۲۸، عمر رضا کحالۃ، اعلام النساء، ۴/ ۹۴۔ ۹۵، طاش کبری زادہ، مفتاح السعادۃ، ۲/ ۲۴۷۔ ۲۴۸، محمد خیر رمضان یوسف، المؤلفات من النساء، ص ۸۴۔ ۸۶
۲۶۔ ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۸۸ء، ۲۱/ ۱۱۳
۲۷۔ حوالہ سابق
۲۸۔ محمد خیر رمضان یوسف، المؤلفات من النساء ومؤلفاتھن فی التاریخ الاسلامی، دار ابن حزم بیروت، ۲۰۰۲ء، ص ۵۔ ۶
۲۹۔ حوالہ سابق، ص ۱۳۔ ۱۵
۳۰۔ عائشہ عبد الرحمن بنت الشاطی، التفسیر البیانی للقرآن الکریم، دار المعارف، القاھرۃ، طبع ہفتم، الاعجاز البیانی للقرآن الکریم، دار المعارف القاھرۃ، ۱۹۷۱ء

۳۱۔ زینب الغزالی اوران کی تفسیر کے بارے میں تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: مرجان عثمانی، مصر کی بیٹی زینب الغزالی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی، ۲۰۱۶ء

۳۲۔ اس تفسیر کے تجزیاتی مطالعہ کے لیے ملاحظہ کیجیے: عفاف عبد الغفور حمید، **من جهود المرآة المبصر لنور القرآن: اول جهد كامل في التفسير للمرآة حديثاً**، مقالہ پیش کردہ دوسری بین الاقوامی قرآن کانفرنس، زیر اہتمام تنظیم مرکز بحوث القرآن، جامعہ ملایا، کوالا لمپور، ملیشیا، فروری ۲۰۱۲ء

۳۳۔ ملاحظہ کیجیے تحقیقی مقالہ تفسیر وعلوم قرآنی میں خواتین کی خدمات، ندیم سحر عنبرین، پیش کردہ شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۲۰۱۸ء میں مذکور خواتین کے تذکرے۔

۳۴۔ ڈاکٹر علاؤ الدین خاں، عہد اورنگ زیب میں علماء کی خدمات، ص ۱۷۳۔ ۱۷۴، ڈاکٹر ظفر الاسلام، مقالہ: عہد وسطیٰ کے ہندوستان کی فارسی تفسیریں۔ ایک تعارفی مطالعہ، سہ ماہی علوم القرآن، علی گڑھ، جولائی۔ دسمبر ۱۹۸۵ء، ص ۱۳۳

۳۵۔ عبدالصمد صارم الازھری، تاریخ التفسیر، ادارۂ علمیہ لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۸۳

۳۶۔ مولانا محمد اسلم جیراج پوری، خواتین، مکتبہ جامعہ دہلی، ص ۲۲۹۔ ۲۳۶

۳۷۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، آثار شبلی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،

۳۸۔ شبلی نعمانی، مقالات شبلی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۸/ ۸۸

۳۹۔ قاضی محمد زاہد الحسینی، تذکرہ المفسرین، دارالارشاد، پاکستان، ۱۴۲۵ھ، طبع سوم،

۴۰۔ ملاحظہ کیجیے تحقیقی مقالہ 'تفسیر وعلوم قرآنی میں خواتین کی خدمات' ندیم سحر عنبرین، پیش کردہ شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۲۰۱۸ء

۴۱۔ ملاحظہ کیجیے: جدید اردو کتابیات سیرت (۱۹۸۰۔۲۰۰۹ء) دارالعلوم التحقیق کراچی، ۲۰۰۹

۴۲۔ مریم جمیلہ کی تصانیف اور افکار کے تعارف کے لیے ملاحظہ کیجیے: مجتبیٰ فاروق، مریم جمیلہ۔ مغرب کی بے باک ناقد، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۲۰۱۸ء

۴۳۔ جناب محمد عاصم شہباز نے پاکستان کی بیس (۲۰) جامعات میں اسلامیات میں کی گئی پی ایچ ڈیز کی فہرست تیار کی ہے۔ اس کے مطابق کل آٹھ سو سڑسٹھ (۸۶۷) میں سے ایک سو تیرہ (۱۱۳) مقالات خواتین کے ہیں۔

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کے منصوبہ کے تحت تیار کردہ

دو اہم مطبوعات

۱۔اسلامی معاشرہ کی خصوصیات مولانا کمال اختر قاسمی

اس کتاب میں تین ابواب ہیں: پہلا باب مغربی معاشرہ اوراس کے اثرات ونتائج پر مشتمل ہے۔ دوسرے باب میں ہندوستانی سماج کو قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تیسرا باب اسلامی معاشرہ پر ہے۔اس میں اسلامہ معاشرہ کی تشکیلی بنیادوں کا تذکرہ کیا گیاہے۔اوراس کی خصوصیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

صفحات: ۲۰۸ قیمت: ۱۵۵

۲۔توحید اور قیامِ عدل مولانا محمد جرجیس کریمی

توحید کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے،جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم،توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اوراس پر ایمان نہ لانے سے وہ بدنظمی، بے اعتدالی اور فساد کا شکار ہوجاتی ہے۔

پیش نظر کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے، جن میں عقیدۂ توحید کی وضاحت کی گئی ہے، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال وتوازن کے اثرات بیان کیے گئے ہیں، نیز عقیدہ توحید سے محرومی اور شرک والحادمیں آلودگی کے نقصانات اور افکار وخیالات پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ شامل ہے۔

صفحات: ۹۲ قیمت: ۵۰

ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی 110025

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ 202002

مولانا مودودیؒ اور علوم کی اسلامی تدوین

جناب مجتبیٰ فاروق (ایم، اے)

اسلام اور اس کی تہذیب پر مغربی فکر و تہذیب کے غلبے کی ایک طویل تاریخ ہے، لیکن اٹھارویں صدی میں یہ بام عروج پر پہنچ گئی۔ اس دوران میں جہاں عالم اسلام زوال کی کیفیتوں سے دوچار ہونے لگا وہیں مغربی فکر و تہذیب نے مسلم دنیا کے ہر کونے میں ان گنت سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل کو جنم دیا۔ انیسویں صدی سے عالم اسلام کو ایک نئی طاقت ور لہر کا سامنا کرنا پڑا، جسے ہم یورپی استعماریت کے نام سے جانتے ہیں۔ اس کی وجہ سے برصغیر میں ۱۸۵۷ء میں مغلوں کی آٹھ سو سالہ حکومت کا خاتمہ ہوا اور استعماری قوتوں کے علم بردار برطانیہ نے متحدہ ہندوستان پر قبضہ جمایا۔ ابھی یہ غم ناک حادثہ تازہ ہی تھا کہ اس کے ۶۶ سال بعد خلافتِ عثمانیہ یعنی اسلامی خلافت کے بچے کھچے اثرات کو بھی ۱۹۲۴ء میں حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ خلافتِ عثمانیہ اسلامی فکر و تہذیب کی کسی حد تک پاسبان ہی نہیں، بلکہ امید کی کرن بھی تھی، جو ختم ہو گئی۔ اس کے بعد عالم اسلام کے ہر کونے میں استعماری قوتوں نے اپنے استبدادی پنجے گاڑ دیے اور اپنی فکر و تہذیب کو فروغ دیا۔ مغربی فکر و تہذیب کے غلبے کے نتیجہ میں مسلمان آہستہ آہستہ اسے اور اس کے فلسفۂ تعلیم کو اختیار کرتے چلے گئے۔ ان کے دلوں اور ذہنوں پر مغربی فکر و تہذیب کا تسلط ہو گیا، ان کی فکر و سوچ مغربی سانچوں میں ڈھل گئی اور ان کے افکار و نظریات مغربی فکر و تحقیق کے مطابق پرورش پانے لگے، ان کے اخلاق، سماجی رویے، خاندانی نظم و نسق اور سیاست، سب کچھ مغربی فکر و فلسفہ کے رنگ میں رنگ گئے۔

علماء اور دانش وروں کی حالتِ زار

بیسویں صدی میں علماء کرام کی حالات سے بے تعلقی، دین کی معذرت خواہانہ تشریح، تقلیدی ذہنیت، لگے بندھے اصولوں کی پابندی، جمود اور تعطل ہر طرف نمایاں تھا۔ ان میں زمانہ کی رفتار کو پکڑنے کی صلاحیت مفقود تھی اور وہ اجتہادی بصیرت سے محروم تھے۔ یہ طبقہ اپنے منصب اور تشخص کو تقلید سے ناکارہ کر چکا تھا۔ علماء کرام چوں کہ عالمِ اسلام کا سب سے اہم اور کلیدی طبقہ تصور کیا جاتا ہے، جن کے کندھوں پر امت مسلمہ کی رہ نمائی کرنے کے ساتھ مغربی فکر و تہذیب کا مقابلہ کرنے کی ذمہ داری بھی عائد تھی، لیکن افسوس کہ وہ اس فرض منصبی کو انجام نہ دے سکے۔ انفرادی طور پر کچھ کوششیں ضرور ہوئیں، لیکن وہ ناکافی تھیں۔ علماء کا کام یہ تھا کہ وہ اس وقت بیدار ہوتے، آنے والی تہذیب کے اصول و مبادی کو سمجھتے، مغربی ممالک کا سفر کرکے ان علوم کا مطالعہ کرتے جن کی بنیاد پر یہ تہذیب اٹھی ہے، اجتہاد کی قوت سے کام لے کر ان کارآمد علمی اکتشافات کے عملی طریقوں کو اخذ کرتے جن کے بل پر مغربی قوموں نے ترقی کی ہے اور ان نئے کل پرزوں کو اصولِ اسلام کے ماتحت مسلمانوں کے تعلیمی نظام اور ان کی تمدنی زندگی میں اس طرح نصب کر دیتے کہ اس کی گاڑی پھر سے زمانہ کے ساتھ چلنے لگتی۔[1] وہ یہ سب کچھ نہ کر سکے، اس کے علاوہ وہ زمانہ کے متغیر حالات، رجحانات اور نئی نسل کی ذہنیتوں کو سمجھنے میں بھی پوری طرح سے ناکام رہے۔ مولانا مودودی کے مطابق ''جدید حالات نے مسلمانوں کے لیے جو پیچیدہ علمی اور عملی مسائل پیدا کر دیے ہیں ان کو حل کرنے میں ان حضرات کو ہمیشہ ناکامی ہوئی ہے، کیوں کہ ان مسائل کا حل اجتہاد کے بغیر ممکن نہیں اور یہ لوگ اجتہاد کو اپنے اوپر حرام کر چکے تھے۔[2] قرآن و سنت کی ہدایت سے اسلام کے آفاقی اور دائمی اصول اخذ کرنا اور ان کے مطابق نت نئے مسائل کو حل کر لینا ان کے بس میں نہ تھا۔ وہ اپنی توانائیاں اور ذرائع و وسائل صرف فقہ اسلامی پر صرف کر رہے تھے اور جو کچھ کام ماضی میں ہو چکا تھا ان ہی کے حاشیے در حاشیے لکھ رہے تھے۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں کتابیں فقہ، علم کلام اور حدیث کی تشریح و توضیحات پر

لکھی جارہی ہیں۔

دوسرا طبقہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کا تھا، جو شکست خوردہ ذہنیت کا حامل تھا۔ یہ بھی امت مسلمہ کے لیے مفید اور معاون ثابت نہیں ہوا۔ یہ طبقہ امت مسلمہ کی علمی و ادبی اور سیاسی گاڑی پر براجمان تھا۔ یہ گروہ اسلام کے اصول ومبادی، اس کے اجتماعی نظام، اس کے تمدنی قوانین اور اسلامی اسپرٹ سے بالکل نا آشنا تھا، نیز جدیدیت اور مغربی فکرو تہذیب سے بے حد مرعوب تھا۔ چنانچہ ہر چیز اور ہر مسئلہ کو مغربی فکر و تحقیق کی نظر سے ہی دیکھتا تھا۔ اسی لیے وہ سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل کو اسلام کے برعکس مغرب سے اخذ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں شکست خوردہ ذہنیت نے جنم لیا۔ پہلے وہ جمود کا شکار ہوئے، جس کا لازمی نتیجہ انحطاط ہے اور مولانا مودودی کے بہ قول انحطاط کا لازمی نتیجہ مغلوبیت ہوتا ہے، چنانچہ وہ اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:

> ''اسلام کے غلبہ کے دور میں تمام دنیا یہ محسوس کرتی تھی کہ تہذیب، تمدن اور فکر وعلم ہے تو مسلمانوں کی ہے۔ اب اس کے برعکس صورت حال پیدا ہوئی کہ خود مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات اتر گئی کہ کوئی تہذیب ہے تو اہل مغرب کی ہے، کوئی تمدن ہے تو اہل مغرب کا ہے، علم وفن جو کچھ بھی ہے اہل مغرب کا ہے، ہمارا کام ان کے پیچھے چلنا اور ان کی تقلید کرنا ہے۔''۳۔

بیسویں صدی کے آغاز ہی سے مغربی علوم وفنون نے عالم اسلام میں اپنے اثرات دکھانے شروع کیے۔ مسلمانوں نے مرعوب ہوکر اسے اپنے تعلیمی اداروں میں جگہ دی، حالاں کہ مسلمانوں کا کام یہ تھا کہ انہیں اپنے اسلاف سے جو علمی ورثہ ملا تھا اس کو آگے بڑھاتے اور اس میں مزید ترقی کرتے، لیکن انہوں نے اپنے دینی علمی ورثہ پر، جو حق وصداقت، راست روی، دیانت، پاکیزگی، احساس ذمہ داری، نیکی، حیا جیسے اہم اور بنیادی اصولوں پر مبنی ہے، مغربی طرز فکر کو ترجیح دے کر اسے حرفِ آخر کی مانند سمجھنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے ایسے فکر وفلسفہ کو اختیار کیا جس میں نہ کسی علیم وقدیر خدا کے خوف

کی گنجائش ہے، نہ نبوت، وحی والہام کی ہدایت کا کوئی وزن، نہ موت کے بعد کسی دوسری زندگی کا تصور، نہ حیاتِ دنیا کے بعد حساب وکتاب کا کوئی کھٹکا، نہ انسان کی ذاتی زندگی کی ذمہ داری کا کوئی سوال، نہ زندگی کے کسی بھی نصب العین کا کوئی امکان۔ غرض یہ ہر اعتبار سے مادیت پر مبنی ہے۔ [۴]

مولانا مودودیؒ کی فکری خدمات

مولانا مودودی بیسویں صدی عیسوی کے عظیم اسلامی مفکر تھے۔ انہوں نے نہ صرف مغربی فکر وتہذیب سے مرعوبیت کو ختم کرنے میں نہایت اہم رول ادا کیا، بلکہ مغربی دانش وروں کے اعتراضات کی تردید کی اور عقلی ومنطقی دلائل سے ان کا زبردست مقابلہ کیا ۔ وہ ان چند اسلامی مفکرین میں سے ہیں جنھوں نے برطانوی استعمار کے مذموم مقاصد اور مغربی فکر وفلسفہ کا نہ صرف صحیح ادراک کیا، بلکہ اس کے تدارک لیے فکری جہاد بھی کیا۔ ان کی فکر ابتدا ہی سے دفاعی نہیں، بلکہ اقدامی نوعیت کی تھی اور ان کے افکار میں مرعوبیت اور معذرت پسندانہ لہجہ کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ماضی میں امام غزالیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ اور شاہ ولی اللہؒ کی طرح وقت کے سوالات کا اسلام کی روشنی میں جواب دیا اور اپنی تحریروں کے ذریعہ فکر اسلامی کی توضیح وتشریح کی۔ انھوں نے جہاں مغربی فکر وتہذیب کا طلسم توڑا وہیں ان دانش وروں پر بھی زبردست فکری حملہ کیا جو اسلام اور اس کی تہذیب کو ماضی کا قصہ اور فرسودہ تصور کرتے تھے۔ وہ بیسویں صدی کے ایک ایسے مفکر تھے جس نے اسلام کو نہایت پرزور اور مدلّل انداز میں دنیائے انسانیت کے لیے متبادل قرار دیا اور اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں کے لیے قابلِ عمل ٹھہرایا۔ انھوں نے قرآن وحدیث اور اجتہاد میں ترتیب قائم کر کے ان کی اہمیت وافادیت بیان کی، نیز مسلمانوں میں فکر اسلامی کے احیاء کی تحریک پیدا کی۔ آج وہ اسی مؤثر نظریہ کی بدولت اہل فکر و دانش میں توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ ولفرڈ کانٹ ول سمتھ (W.C.Smith) نے بجا طور پر کہا ہے:

"Perhaps the most significant constitution of

Mawdudis possion has been the gradual and continual elaboration of an impressive system of ideas. Mawdudi would appear to be much the most systematic thinker of moderen Islam "(5)

(مولانا مودودی نے بہ تدریج اور عرق ریزی سے مؤثر نظریات کے منظم اور باقاعدہ نظام کی تشکیل کی ہے، جو ان کے مقام و مرتبے اور جدوجہد کا اہم حصہ ہے۔ ان کا شمار جدید اسلامی دنیا کے منظم ترین مفکر کے طور پر کیا جائے گا۔)

مولانا مودودی کا طرز استدلال شان دار، مضبوط اور پر کشش تھا۔ اس تعلق سے اسکول آف اورینٹل لینگویجز اور امیریکن اسٹڈیز ان برٹش کے لکچرر اور جرمن اسکالر پٹر ہاٹنگ، جنھوں نے مولانا مودودی کی زندگی اور ان کی فکر پر کم وبیش پندرہ سال تحقیق کی ہے، کہتے ہیں:

"Mawdudi had a huge effect on the cause of the 20th century by insisting that Islam as a pure and regorus form could be a recipe for contemporary life "(6)

(مولانا مودودی نے بیسویں صدی میں دوررَس اثرات مرتب کیے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ اسلام اپنی خالص ترین اور انتہائی توانا شکل میں دور جدید کی زندگی پر غیر معمولی حد تک اثر انداز ہوا ہے۔ وہ اپنے پیرو کاروں کو اچھی زندگی بسر کرنے میں مدد دینے کی بھر پور صلاحیت رکھتا ہے۔)

مولانا مودودی نے علمی وفکری، سیاسی، تعلیمی، معاشی، معاشرتی، قانونی اور سماجی دائروں میں نہایت وسیع اثرات مرتب کیے۔ انھوں نے اسلام کو ہر دور کے لیے رہ نمائی کا ذریعہ ثابت کیا اور دکھایا کہ کس طرح اسلام پر عمل پیرا ہو کر دین ودنیا کی فلاح

حاصل کی جا سکتی ہے۔ انھوں نے مدلّل انداز میں بتایا کہ اسلام ایک ایسی نظریاتی قوت ہے جو دنیا کی قیادت و سیادت اور رہ نمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انھوں نے اسلام کو جامع نظامِ حیات اور اعلیٰ اقدار کے حامل فکر وفلسفہ طور پر پیش کیا۔ انہوں نے ان لوگوں پر تنقید کی جو اسلامی ریاست اور اس کے قیام کو محض خیالی پلاؤ (Utopian concept) قرار دیتے تھے۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں اسلام کو زندۂ جاوید مذہب قرار دیا اور بتایا کہ دورِ جدید کے نت نئے نظریات اور مسائل کو اسلام ہی حل کر سکتا ہے۔ استاد فتحی عثمان لکھتے ہیں:

> "Mawdudis sharp intellectuality and vast knowledge were evident in his analysis of contemporary Muslim circumstances ,in his presentation of Islamic teachings and their relivance and in his comparison between teachings and other reform idiologies "(7)
>
> (معاصر مسلم دنیا کے تجزیے، اسلام کی عالم گیر تعلیمات کی وضاحت اور موجودہ حالات سے ان کی مطابقت اور دوسرے معاصر افکار ونظریات کا تقابلی مطالعہ جیسے اہم موضوعات میں، مولانا مودودی نے بے پناہ ذہانت وصلاحیت اور وسیع علم کا مظاہرہ کیا۔)

مولانا مودودی نے اہلِ علم کے ایک بڑے طبقے کو اس بات کا قائل کیا کہ اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ یہ طبقہ اس فکر کا ترجمان بن گیا۔ اس نے کم وبیش اسلامیات کے ہر موضوع پر قلم اٹھایا اور ایسی جان دار تحریریں چھوڑیں کہ نہ صرف عام لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے ان سے استفادہ کیا، بلکہ خواص بھی ان کی فکر انگیز تحریروں سے مستفید ہوئے۔ بہ قول رائے جکسن (Roy Jackson) آج مولانا مودودی کی فکر اور ان کی تحریریں نہ صرف عالمِ اسلام میں، بلکہ مغربی دنیا میں بھی مستقل طور سے پڑھی جا رہی ہیں اور اسلامی احیاء کے جدید عنوانات پر مسلسل ان

کی تحریروں سے استفادہ کیا جارہا ہے۔ ۸؎ مغربی فکر وتہذیب سے متاثر نئی نسل مختلف ذہنی اشکالات اور تہذیب حاضر کے نت نئے مسائل اور الجھنوں میں گھری ہوئی تھی۔ مولانا نے اس کو بہ حسن وخوبی مخاطب کیا ہے۔ ان کی تحریریں اور ان کا تیار کردہ لٹریچر ان کی حیات ہی میں دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر ہر جگہ پہنچ گیا تھا، جس کے نمایاں اثرات دیکھے گئے۔

مولانا مودودی کے تین کارنامے ایسے ہیں جو ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے: (۱) فکر اسلامی پر بے مثال لٹریچر (۲) قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر تفہیم القرآن۔ (۳) احیائے دین کے لیے جماعت اسلامی کا قیام۔ اس کے علاوہ انہوں نے مفکرین اور مصنفین کی ایک ایسی ٹیم تیار کی جن کی فکر اور تحریروں نے دیرپا اثرات قائم کیے ہیں۔ مولانا نے ان کی ذہنی تربیت کر کے انہیں ایسی تحریک دی کہ انھوں نے مختلف علمی اور فکری میدانوں میں ان مٹ نقوش اور اثرات چھوڑے۔

نظامِ تعلیم سے مولانا کی دل چسپی

تعلیم وتربیت کسی بھی ریاست کا ایک اہم ستون کہلاتا ہے۔ کوئی بھی قوم، تحریک یا فرد اس سے عدم دل چسپی کا مظاہرہ نہیں کرسکتا ہے۔ بیسویں صدی میں چند اسلامی مفکرین نے نظام تعلیم کے تعلق سے بھرپور دل چسپی دکھائی۔ مولانا مودودی ان میں سے ایک ہیں۔ اسلامی نظام تعلیم کا مکمل تصور ان کے افکار ونظریات میں واضح اور نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے اسلامی نظام تعلیم کو مغربی نظام تعلیم کے مقابلے میں پیش کیا۔ اس کے لیے مطلوبہ تبدیلیوں کے تعلق سے انھوں نے یہ تصور دیا کہ جدید علوم بالخصوص سماجی علوم (Social Sciences) کا اسلامی نقطۂ نظر سے گہرا جائزہ لینا، اس کو فاسد نظریات و اثرات سے الگ کرنا اور اسلامی قدروں کے مطابق جدید وعلوم وفنون کی تشکیل نو کا کام کرنا ضروری ہے۔ مسلم مفکرین اور ماہرین تعلیم نے اس موضوع پر اتنی توجہ نہیں دی جتنی توجہ کا یہ مستحق تھا۔ جناب نعیم صدیقی نے بجا فرمایا ہے:

”مولانا مودودی نے اپنی تحریروں میں ایک جامع حکمتِ تعلیم، اس پر عمل پیرا ہونے کی اسکیم اور اس کے لیے خاکۂ نصاب وغیرہ مسائل پر اتنا مواد ہمارے سامنے رکھ دیا کہ اگر وہ کوئی اور کام نہ کرتے تو یہی ایک کارنامہ انھیں ہماری تاریخ کی ایک عظیم شخصیت بنانے کے لیے کافی تھا۔“ ۹ے

رائج نظامِ تعلیم کا تنقیدی جائزہ

مولانا مودودیؒ نے رائج نظامِ تعلیم کا گہرائی سے جائزہ لیا۔ ان کے نزدیک جن تین نظام ہائے تعلیم کو بدلنا بے حد ضروری ہے وہ یہ ہیں:

(۱) جدید، یا مغربی نظامِ تعلیم

(۲) قدیم، یا مدرسوں کا نظامِ تعلیم

(۳) قدیم و جدید کا مغلوبہ

ان تینوں مروّجہ نظام ہائے تعلیم کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

”امامت میں انقلاب پیدا کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ ان تینوں نظام ہائے تعلیم سے ہٹ کر ایک بالکل نیا نظامِ تعلیم بنایا جائے، جس کا نقشہ ابتدائی تعلیم سے لے کر انتہائی مدارج تک تینوں سے مختلف ہو۔“ ۱۰ے

تعلیم گاہوں کا تنقیدی جائزہ

مولانا مودودی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے تعلیمی نصاب کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس وقت مسلم یونی ورسٹی میں جو طریقِ تعلیم رائج ہے وہ تعلیم جدید اور اسلامی تعلیم کی ایک ایسی آمیزش پر مشتمل ہے جس میں کوئی امتزاج اور کوئی ہم آہنگی نہیں۔ دو بالکل متضاد اور بے جوڑ تعلیمی عنصروں کو جوں کا توں لے کر ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے قطع نظر خالص تعلیمی نقطۂ نگاہ سے بھی اگر دیکھا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ تعلیم

میں اس قسم کے متباین اور متزاحم عناصر کی آمیزش اصلاً غلط ہے اور اس سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔''۱۱؎

مولانا کے نزدیک اس طرح کی جو کوششیں ہورہی ہیں ان کے دنیاوی اور مادی فوائد سے کسی کو انکار نہیں، مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو طرزِ تعلیم علی گڑھ اور دوسری درس گاہوں میں اختیار کیا گیا وہ ایک خفیف سی ترمیم کے ساتھ اس طرزِ تعلیم کا چربہ تھا جو انگریزی حکومت نے رائج کیا تھا۔۱۲؎

ندوۃ العلماء کا قیام ۱۸۹۴ء میں عمل میں آیا۔ یہ ملت اسلامیہ ہند کے لیے ایک نئی امید کے طور پر وجود میں آیا، جو آغاز ہی سے قدیم و جدید نظامِ تعلیم کا سنگم کہلاتا تھا۔ مولانا مودودیؒ اس کے نصاب تعلیم سے مطمئن نہ تھے۔ ۵ جنوری ۱۹۶۱ء کو انہوں نے ندوہ کے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''لوگ اس گمان میں ہیں کہ پرانی تعلیم میں خرابی صرف اتنی ہی ہے کہ نصاب بہت پرانا ہوگیا ہے، اس میں بعض علوم کا عنصر بعض علوم سے کم یا زیادہ ہے اور جدید زمانہ کے بعض ضروری علوم اس میں شامل نہیں ہیں، اس لیے اصلاح کی ساری بحث صرف اس حد تک محدود ہوکر رہ جاتی ہے کہ کچھ کتابوں کو نصاب سے خارج کرکے کچھ دوسری کتابوں کو داخل کردیا جائے۔۔۔۔اور بہت زیادہ روشن خیالی پر جو لوگ اتر آتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ صاحب، ہر مولوی کو بس میٹرک تک انگریزی پڑھا کر اس قابل کردیا جائے کہ کم از کم تار پڑھنے اور لکھنے کے قابل ہوجائے۔۔۔۔اس سے زیادہ اگر کچھ فائدہ ہوسکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ پہلے سے زیادہ کچھ کام یاب قسم کے مولوی پیدا ہوجائیں، جو کچھ جرمنی اور امریکہ کی باتیں بھی کرنے لگیں۔ اس ذراسی اصلاح کا نتیجہ یہ کبھی نہیں نکل سکتا کہ دنیا کی امامت و قیادت کی باگیں علمائے اسلام کے ہاتھ میں آجائیں۔''۱۳؎

عام قسم کے کالجز اور مدرسوں میں جو نصابِ تعلیم رائج ہے وہ بھی انتہائی ناقص اور بے مقصد ہے۔ فرد اور سماج کی تعمیر و اصلاح کے لیے ان کالجز کے پاس نہ نظم و نسق

ہے اور نہ کوئی ٹھوس عملی پروگرام ہی ہے۔ ان میں طلبہ اور نوجوانوں کو جو تعلیم دی جاتی ہے وہ ان کو دنیا کی امامت ورہ نمائی کے لیے نہیں، بلکہ غارت گری اور فساد کے لیے تیار کرتی ہے۔ ان تعلیمی اداروں سے جو افراد نکلتے ہیں ان کا نقطۂ نظر، ان کا مقصد، ان کی اخلاقی قدریں اور ان کا تصور کائنات (World View) مغربی فکر کے مطابق قرار پاتا ہے۔ مولانا مودودی نے ایک کالج کے جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر ان جدید تعلیمی اداروں کی اسکیم پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> ''دراصل میں آپ کی اس مادر علمی کو اور مخصوص طور پر اسی کو نہیں، بلکہ ایسی تمام ماڈرن تعلیم گاہوں کو درس گاہوں کے بجائے قتل گاہ سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک آپ فی الواقع یہاں قتل کیے جارہے ہیں اور یہ ڈگریاں، جو آپ کو یہاں ملنے والی ہیں، یہ دراصل موت کے صداقت نامے (Death Certificate) ہیں، جو قاتل کی طرف سے آپ کو اس وقت دیے جارہے ہیں جب کہ وہ اپنی حد تک اس بات کا اطمینان کر چکا ہے کہ اس نے آپ کی گردن کا تسمہ تک لگا رہنے نہیں دیا۔'' [۱۴]

علوم کی اسلامی تدوین کا نظریہ

انیسویں اور بیسویں صدی میں عالم اسلام کے چند مفکرین اور مصلحین نے امتِ مسلمہ کو فکری بحران سے نکالنے کے لیے کچھ کوششیں کیں۔ سرسید احمد خاں (۱۸۱۷۔ ۱۸۹۸ء) نے برصغیر میں اور محمد عبدہ (۱۸۴۹۔ ۱۹۰۵ء) نے عالمِ عرب میں فکری بیداری میں نمایاں رول ادا کیا۔ ان دونوں مفکرین نے مغربی سائنس و فلسفہ کو اختیار کرنے پر زور دیا اور اسی کو امت مسلمہ کے مسائل کا حل قرار دیا۔ مسلمانوں کے فکری اور تعلیمی نظام پر ان دونوں کے نمایاں اثرات پڑے ہیں۔ کچھ دوسرے مفکرین اور مصلحین مغربی فکر کے چیلنج کا جواب دینے کے لیے سامنے آئے اور انہوں نے مسلمانوں کو اسلامی فکر و فلسفہ اور اسلامی نظام تعلیم اختیار کرنے پر زور دیا۔ ان میں الجزائر میں امیر عبد القادر (۱۸۰۷۔ ۱۸۸۳ء)، برصغیر میں مولانا محمد قاسم

نانوتوی (۱۸۳۳ـ ۱۸۸۰ء) اور علامہ اقبال (۱۸۷۷ـ ۱۹۳۸ء)، ایران میں ڈاکٹر علی شریعتی (۱۹۳۳ـ ۱۹۷۷ء) اور الجزائر میں عبدالحمید البادیس (۱۸۸۹ء ـ ۱۹۴۰) قابل ذکر ہیں۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے برصغیر میں مولانا مودودی نے علمی اور فکری محاذ سنبھالا اور مغربی فکر وتہذیب اور فلسفۂ علم وتعلیم کے چیلنج کا مدلل جواب دیا۔

مغرب سے مرعوب مصلحین اور مفکرین مغربی فکر وفلسفہ اور علوم کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی ترقی کے لیے واحد حل سمجھتے تھے۔ وہ نصابِ تعلیم میں مغربی فکر و فلسفۂ تعلیم کو من وعن داخل کرنا چاہتے تھے اور عملاً کر بھی رہے تھے، حالاں کہ انہیں چاہیے تھا کہ سب سے پہلے اس کا تنقیدی جائزہ لیتے اور اس کو اسلامی مبادیات کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کے منفی پہلوؤں کو ترک کر دیتے اور مفید پہلوؤں کو اختیار کر لیتے، لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ پھر اس سے وہ نتائج کیسے نکلتے جو اسلامی نقطۂ نظر سے مطلوب ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

> ''اگر آپ اس نظامِ تعلیم کو من وعن اختیار کر کے اپنی نوخیز نسلوں میں پھیلائیں گے تو ان کو ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے کھو دیں گے۔ آپ ان کو وہ فلسفہ پڑھاتے ہیں جو کائنات کے مسئلے کو خدا کے بغیر حل کرنا چاہتا ہے۔ آپ وہ سائنس پڑھاتے ہیں جو معقولات سے منحرف اور محسوسات کا غلام ہے۔ آپ ان کو تاریخ، سیاست، معاشیات، قانون اور تمام علوم عمرانیہ کی وہ تعلیم دیتے ہیں جو اصول سے لے کر فروع تک اور نظریات سے لے کر عملیات تک اسلام کے نظریات سے یک سر مختلف ہے۔ اس کے بعد آپ کس بنیاد پر یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی سیرت اور کردار اسلامی نظریہ اور طرز کے مطابق ہوں گی۔'' ۱۵؎

مغربی علوم اپنے فکر و فلسفہ میں الہامی اور انبیائی تعلیمات کے پابند نہیں ہیں۔ ان علوم میں نہ خدا کے لیے کوئی جگہ ہے اور نہ یہ آخرت کی جواب دہی کا احساس دلاتے ہیں۔ یہ علوم فرد کو صرف پیٹ کا پجاری اور مادہ پرست بناتے ہیں۔ مولانا مودودی کے نزدیک جو کام کرنے کا ہے وہ یہ کہ نظامِ تعلیم کو از سر نو منظم کیا جائے اور اس کی اسلامی

تدوین کی کوشش کی جائے۔ اس حوالے سے ان کے نزدیک سب سے پہلے مغربی علوم وفنون پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ ان علوم کو جوں کا توں لینا درست نہیں۔ اس لیے تمام مغربی علوم کو تنقید کے ساتھ پیش کیا جائے اور یہ تنقید خالص اسلامی نقطۂ نظر سے ہو، تا کہ ہر قدم پر ان کے ناقص اجزاء کو چھوڑ دیا جائے اور صرف کارآمد حصوں کو شامل کرلیا جائے۔

مولانا مودودی نے علوم کی اسلامی تدوین کا جو تصور دیا ہے اس کے ذریعہ وہ دراصل امت مسلمہ کو اس فکری بحران سے نکالنا چاہتے تھے جس میں وہ پھنس چکی تھی۔ وہ امت کو ایسا وژن دینا چاہتے تھے جو نظریاتی طور پر انتہائی مضبوط، مدلل اور مستحکم ہو اور اس سے ایسے افراد تیار ہوں جو نت نئے چیلنجز سے نپٹنے اور ان کو جواب دینے کے اہل ہوں۔ انھوں نے علوم کی اسلامی تدوین کے تین رہنما خطوط پیش کیے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) سب سے پہلا کام یہ ہے کہ مغربی فکر اور فلسفۂ حیات کا جو طلسم قائم ہوا ہے اس کو توڑ ڈالا جائے۔ ایک معقول اور مدلل علمی تنقید کے ذریعہ یہ ثابت کیا جائے کہ مغربی علوم وفنون میں جتنے حقائق و واقعات ہیں وہ دراصل تمام دنیا کا مشترکہ علمی سرمایہ ہے۔ لیکن ان معلومات اور حقائق کی بنیاد پر اہل مغرب نے جو فلسفۂ حیات بنایا ہے وہ قطعی باطل ہے۔ جو معاشرتی علوم (Social Sciences) اور معاشرتی فلسفہ انھوں نے گھڑا ہے وہ پوری دنیا کے لیے موجبِ فتنہ وفساد ہے۔ اس لیے پہلا ضروری کام یہ ہے کہ مسلمانوں پر مغربی فکر و فلسفہ کا جو سحر ہے وہ ختم ہو جائے۔ اس کے بغیر مسلمانوں کو ذہنی مرعوبیت اور ذہنی شکست خوردگی اور مقلدانہ روش سے نہیں نکالا جا سکتا۔۱۶؎

(۲) دوسرا کام یہ کرنا ہوگا کہ اسلامی نقطیہ نظر سے تمام علوم وفنون کو نئے اسلوب اور نئے طریقے پر مرتب کیا جائے۔ بلاشبہ واقعات اور حقائق وہی رہیں گے جو دنیا کا مشترکہ علمی سرمایہ ہیں، لیکن ان پر جب تک ایک پورا نظام فکر وعمل اسلامی نقطیہ نظر سے مرتب نہ کیا جائے گا اور کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں یہ علوم نہ پڑھائے جائیں گے اس وقت تک آپ توقع نہ رکھیں کہ یہاں کبھی اسلامی تہذیب اٹھ سکتی ہے، بلکہ اس کا باقی رہنا بھی مشکل ہے۔۱۷؎

(۳) اس کے بعد ضرورت ہوگی کہ ایک نیا نصاب مرتب کیا جائے اور اسلامی نقطۂ نظر سے تعلیم کے قابل کتابیں تیار کی جائیں۔ اسلامی تعلیم کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ تمام اوقات میں تو ہم وہ علوم پڑھائیں جو مغربی مصنفین کی کتابوں میں ملتے ہیں اور صرف ایک پیریڈ میں طلبہ سے یہ کہہ دیا جائے کہ ایک ہستی کا نام اللہ ہے اور اس نے ایک ہستی کو رسول بنا کر بھیجا تھا، لیکن اللہ اور رسول کا مظاہرہ ان کو باقی اسباق میں نظر نہ آئے۔ لہٰذا اسلامی نقطۂ نظر سے نصاب تیار کرنا انتہائی ضروری ہے، تاکہ نئی نسل کے ذہنوں میں نہ صرف اسلامی فکر و فلسفہ نقش ہو جائے، بلکہ وہ نت نئے چیلنجز کا جواب بھی دینے کے قابل ہو جائیں۔ ۱۸ے

نئے تعلیمی نظام کا خاکہ

مولانا مودودیؒ نے نئے تعلیم نظام کا جو خاکہ پیش کیا اس میں سب سے پہلے انھوں نے چند خصوصیات کا تذکرہ کیا، جن میں دنیوی اور دینی علوم کی انفرادیت کو مٹا کر دونوں کو یک جا کر دینا، اختصاصی تعلیم کا طریقہ رائج کرنا اور واضح مقصد زندگی متعین کرنا اہم ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے افراد سازی پر بھی خاص توجہ دی۔ کیوں کہ جب تک افرادِ کار تیار نہ ہوں، کوئی بھی ریاست صحیح اور درست قدم نہیں اٹھا سکتی۔ اس لیے اولین فرصت میں ہر میدان کے لیے افراد تیار کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس ضمن میں مولانا کا کہنا ہے کہ ہمارے سامنے اس وقت کرنے کا کام یہ ہے کہ دنیا میں اخلاقی، فکری اور عمرانی انقلاب برپا کرنے کے لیے موزوں لیڈر اور کارکن تیار کیے جائیں۔ اس کام کے لیے ڈاکٹری یا انجینیرنگ یا سائنس وغیرہ کے ماہرین کی ضرورت نہیں، بلکہ صرف ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو دینِ اسلام اور علوم اجتماعیہ (Social Sciences) میں اعلیٰ درجہ کی بصیرت رکھتے ہوں۔ ۱۹ے

مولانا مودودیؒ نے اس کام کے لیے پانچ شعبوں (Faculties) کے قیام کی سفارش کی اور ساتھ ہی ان کا تدریسی خاکہ بھی پیش کیا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) فلسفہ: تاریخِ فلسفہ، فلاسفہ، فلاسفۂ مسلمین کے مختلف اسکول، علم کلام، فلاسفہ غیر مسلمین کے مختلف اسکول، متصوفین، منطق، نفسیات، فلسفۂ اخلاق، نظری (Theoritical) سائنس، حکمت، قرآن اور اس کی مدد کے لیے حدیث۔

(۲) تاریخ: تاریخِ اسلام، تاریخِ مسلمین، تاریخ عالم، تاریخ انقلاب، فلسفۂ تاریخ عمرانیات (Sociology) مختلف عمرانی فلسفے، مدنیات (Civics) سیاسیات، دساتیر عالم (Constitutions of the World)، اسلامی فلسفۂ تاریخ و فلسفۂ تمدن اور نظام اجتماعی و سیاسی کا مطالعہ قرآن وحدیث کی روشنی میں۔

(۳) معاشیات: علم المعیشت، مختلف معاشی نظریے اور معاشی وتمدنی مسالک، دنیا کے مختلف معاشی نظام، مالیات (Finance) بینکنگ، قرآن و حدیث اور فقہ کا مطالعہ معاشی نقطۂ نظر سے۔

(۴) قانون: تاریخِ قانون، اصولِ قانون، قوانینِ امم، اصولِ قضا و نظام عدالت، قرآن وحدیث اور اسلامی مذاہبِ فقہ کا مطالعہ قانونی نقطۂ نظر سے۔

(۵) علوم اسلامیہ: عربی ادب و لغت، تفسیر، حدیث، فقہ، علوم اسلامی کی تاریخ، تاریخ افکار مسلمین، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، تاریخ ادیانِ عالم، فلسفۂ مذہب، دورجدید کی مذہبی واخلاقی تحریکیں، مغربی الحاد کی تاریخ۔۲۰؎

اس کے بعد مولانا مودودی نے ان ذہنی واخلاقی اوصاف کا بھی تذکرہ کیا ہے جن سے طلبہ اور اساتذہ کو آراستہ و پیراستہ ہونا چاہیے، کیوں کہ صرف بہتر علمی معیار کا ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ اخلاق و کردار کا ہونا بھی بے حد ضروری ہے۔ مولانا مودودی نے تعلیم کو ایک اکائی اور مرکب کی شکل میں پیش کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ نوخیز نسلوں کی علمی و ذہنی تربیت کا انتظام اپنے نصب العین کے مطابق کرنا ہے، بلکہ اس کے ساتھ اخلاقی اور عملی تربیت کا بندو بست بھی کرنا ہے۔ اسلامی ریاست کے لیے ان باصلاحیت افرادِ کار کی ضروت ہے جو علمی وفکری طور سے مضبوط ہونے کے ساتھ اخلاقی تربیت سے بھی لیس ہوں۔ اسلامی تدوین کے لیے صرف جامع نصاب تیار کرنا ہی کافی نہیں، بلکہ

علمی وفکری تیاری کے علاوہ طلبہ اور نوجوانوں میں اخلاقی اوصاف پیدا کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔ اس پر مولانا نے خاص توجہ دی اور اس پہلو کو خوب نمایاں کیا۔ اس تعلق سے انھوں نے جن اوصاف کا تذکرہ کیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) فکر ونظر اور ذہنیت کے اعتبار سے پورے مسلمان ہوں اور اسلام کے لیے لڑنے کا گہرا جذبہ رکھتے ہوں۔

(۲) دین میں تفقہ اور مجتہدانہ بصیرت رکھتے ہوں اور وہ تمام استعدادیں ان کے اندر نشو ونما پائیں جو ایک صالح نظام تمدن واخلاق کی تعمیر کے لیے ضروری ہیں۔

(۳) ان کی دماغی تربیت اتنی اعلیٰ درجہ کی ہو کہ اپنے زمانہ کی علمی دنیا پر ان کی ریاست کا سکّہ بیٹھ جائے۔

(۴) وہ ان رذائل اخلاق سے پاک ہوں جنھیں قرآن وحدیث میں کفار، فجار اور منافقین کی صفات قرار دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس ان میں عباد اللہ، صادقین، صالحین اور محسنین، فائزین، **مفلحین** کے اوصاف پرورش کیے جائیں۔

(۵) وہ دنیا میں اپنے بل بوتے پر کھڑے ہوسکیں، ہر میدان کے مرد ہوں اور زمین کو پیٹ کر ہر جگہ سے اپنا رزق حاصل کر لینے کی قابلیت ان کے اندر موجود ہو۔[۲۱]

سماجی علوم کی اسلامی تشکیل کے لیے ایک جامع نصاب تیار کرنا ایک مشکل کام ہے، جس کے لیے گہری علمی واجتہادی بصیرت کے ساتھ فہم وفراست اور زمانہ شناسی کا ہونا بھی ازحد ضروری ہے۔ ایک اسلامی ریاست کے لیے جہاں سیاسی اور اقتصادی طور سے مضبوط ہونا ضروری ہے وہیں اس کی مضبوطی اور استحکام کے لیے جامع نصاب تعلیم کا ہونا بھی لازم ہے، جو قرآن وحدیث کے اصولوں پر استوار ہو۔ اس بارے میں مولانا مودودی نے جو تعلیمی خاکہ پیش کیا اس کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

اسلامی یونی ورسٹی کے خدّوخال

مولانا مودودیؒ نے جولائی ۱۹۳۴ء میں ماہ نامہ ترجمان القرآن میں ایک مضمون 'ملت کی تعمیر نو کا صحیح طریقہ' کے عنوان سے لکھا تھا، جس میں انھوں نے بتایا

تھا کہ مسلمانوں کی نسل نو کی فکری اور دینی تربیت کے لیے کن اقدامات کی اور کس ترتیب کے ساتھ ضرورت ہے؟ اس ضمن میں ان کی یہ بات کافی اہمیت کی حامل ہے کہ ملت اسلامیہ کی عمارت دراصل اس ترتیب پر قائم ہوئی تھی کہ پہلے قرآن مجید، پھر رسول کی سنت، پھر اہل علم وبصیرت کا اجتہاد پیش نظر رہے۔ لیکن یہ ترتیب اب باقی نہیں رہی۔ انھوں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ بدقسمتی سے اس ترتیب کو بالکل الٹ دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے جمود آ گیا ہے اور جس نے اسلام کو ایک ساکن وغیر متحرک شے بنا دیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے ایک ایسا تعلیمی ماڈل پیش کیا جس میں فکری، دینی اور اخلاقی تربیت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ مولانا مودودیؒ کے نزدیک امت مسلمہ کا احیاء اس وقت تک ممکن نہیں جب تک نظام تعلیم کی اصلاح نہ کی جائے اور اس کو صحیح رخ نہ دیا جائے۔ اسی لیے انھوں نے تعلیم کے ہر مرحلے (ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ) کی اصلاح کے لیے تجاویز پیش کیں۔

مولانا مودودیؒ نے تعلیم کی از سر نو تشکیل کے لیے جو خواب دیکھا تھا اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ ایک اسلامی یونی ورسٹی کی ضرورت شدت سے محسوس کرتے تھے۔ اس کا مقصد انھوں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ”درحقیقت عالم اسلام کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ نہ تو دار العلوم ہے جو قدیم طرز کے علماء تیار کرے اور نہ جدید یونی ورسٹی، جو مغربی علوم کے ماہرین پیدا کرے، بلکہ ایک ایسی یونی ورسٹی کی ضرورت ہے جو دنیا میں اسلام کے علم بردار تیار کر سکے، جو اخلاق و کردار کے اعتبار سے اور ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے مغربی طرز کے نظام تعلیم سے فارغ ہونے والوں کی بہ نسبت فائق تر ہوں۔“ ۲۲؎

مولانا مودودیؒ نے اسلامی یونی ورسٹی کے درج ذیل مقاصد قرار دیے:

(۱) وہ ایسے صالح علماء تیار کرے جو اس دورِ جدید میں ٹھیک ٹھیک دین حق کے مطابق دنیا کی رہ نمائی کرنے کے لائق ہوں۔

(۲) اس کا پورا ماحول ایسا ہونا چاہیے جو طلبہ میں تقویٰ اور اخلاق فاضلہ پیدا

کرنے والا اور ان کے اندر اسلامی ثقافت کو مستحکم کرنے والا ہو۔

(۳) اسے تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے کھلا ہونا چاہیے، تاکہ ہر جگہ کے طالب علم آزادی کے ساتھ اس میں آکر داخل ہو سکیں۔

(۴) اسے لازماً اقامتی یونی ورسٹی ہونا چاہیے، جس میں طلبہ ہمہ وقت رہیں۔

(۵) اس کے لیے اساتذہ کا انتخاب صرف علمی قابلیت کی بنیاد پر ہی نہ ہو، بلکہ اس کے تمام اساتذہ اپنے عقائد و نظریات اور اپنی عملی زندگی کے لحاظ سے صالح اور متقی ہوں۔

(۶) اس کے طلبہ کو ایسی تربیت دی جانی چاہیے کہ ان کے اندر حسب ذیل اوصاف پیدا ہوں:

(أ) اسلام اور اس کی تہذیب پر فخر اور اسے دنیا میں غالب کرنے کا عزم۔

(ب) اسلامی اخلاق سے اتصاف اور اسلامی احکام کی پابندی۔

(ج) دینی ثقاہت اور مجتہدانہ بصیرت۔

(د) تنگ نظری اور فرقہ بندی سے پاک ہونا۔

(ہ) تحریر و تقریر، تنظیم و انتظام اور قیادت کی صلاحیتوں سے متصف ہونا۔

(و) جفاکشی، محنت، چستی اور اپنے ہاتھ سے ہر طرح کے کام کر لینے کی صلاحیت۔

(ز) اس میں صرف وہ لوگ داخل کیے جائیں جو ثانوی تعلیم سے فارغ ہو چکے ہوں۔ ۲۳

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا مودودیؒ نے ماڈل یونی ورسٹی کا جو تصور پیش کیا اس کا مظاہرہ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں کئی مسلم ممالک میں دیکھنے کو ملا۔ مثال کے طور پر انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی ملیشیا (IIUM)، جو ۱۹۸۳ء میں قائم ہوئی۔ یہ اقامتی یونی ورسٹی ہے، جس کا دروازہ دنیا کے تمام طلبہ کے لیے کھلا ہوا ہے۔ اس میں طلبہ اور اساتذہ کے درمیان آپس میں بامقصد رشتہ قائم ہے اور یونی ورسٹی نے طلبہ اور اساتذہ دونوں کو اسلامی طرز زندگی اختیار کرنے کا مکلف ٹھہرایا ہے۔ مذکورہ یونی ورسٹی کا مقصد دو

نظام ہائے تعلیم ،یعنی اسلامی علوم کی اصلاح اور جدید علوم کی اسلامی تدوین کر کے دونوں کو آپس میں ضم کر کے پڑھانا ہے۔ یہ یونی ورسٹی اسلامی علوم کو پڑھانے تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اعلیٰ تعلیم کی ایک جامع اور ہمہ گیر دانش گاہ ہے، جہاں علوم کے تمام شعبوں میں اسلامی اقدار اور اسلام کے فلسفۂ تعلیم کو مدنظر رکھ کر پڑھایا جاتا ہے۔ یونی ورسٹی کے پروفیشنل کورسز کا ذریعۂ تعلیم انگریزی ہے،لیکن طلبہ کو عربی زبان میں بھی مہارت حاصل کرنی ہوتی ہے ۔ یونی ورسٹی اپنے مقصد کی طرف رواں دواں ہے۔ اس کی بنیادی غرض وغایت دنیائے اسلام کو ایسی اسلامی قیادت فراہم کرنا ہے جو ذہنی اور فکری طور سے توانا اور کردار وعمل کے اعتبار سے مضبوط ہو۔

علم اور امامت کا رشتہ

مولانا مودودیؒ نے ۵/جنوری ۱۹۶۱ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کی انجمنِ طلبہ کے سامنے جو فاضلانہ خطبہ دیا تھا وہ علوم کی اسلامی تدوین کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ۔اس خطبہ میں مولانا نے زور دے کر کہا تھا کہ امامت کا دامن ہمیشہ علم کے ساتھ وابستہ رہے گا۔انہوں نے نوجوان طلبہ اور علماء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> ”سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ اس دنیا میں امامت وقیادت کا مدار آخر ہے کس چیز پر؟ کیا چیز ہے جس کی بنا پر کبھی مصر امام بنتا ہے اور دنیا اس کے پیچھے چلتی ہے، کبھی یونان امام بنتا ہے اور دنیا اس کے پیروی کرتی ہے اور کبھی اسلام اقوام کا امام بنتا ہے اور دنیا اس کے نقش قدم پر ہو لیتی ہے اور کبھی یورپ امام بنتا ہے اور دنیا اس کی متبع بن جاتی ہے؟ آخر وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے امامت آج ایک کو ملتی ہے، کل اس سے چھن کر دوسرے کی طرف چلی جاتی ہے اور پرسوں اس سے سلب ہو کر تیسری کی طرف منتقل ہو جاتی ہے؟ کیا یہ بے ضابطہ اتفاقی امر ہے یا اس کا کوئی ضابطہ ہے؟ اس مسئلہ پر جتنا بھی غور کیا جائے اس کا جواب یہی ملتا ہے کہ ہاں، اس کا ضابطہ ہے اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ امامت کا دامن ہمیشہ علم سے وابستہ رہے گا۔ انسان کو بہ حیثیت نوع کے زمین کی

خلافت ملی ہی علم کی وجہ سے ہے۔'' ۲۴؎

اس کے بعد علم کی حقیقی ماہیت بیان کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ انسان کو سمع، بصر اور فؤاد، تین ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو دوسری مخلوقاتِ ارضی کو نہیں دی گئی ہیں۔ کلام الٰہی میں یہ تینوں لفظ مجرد سننے، دیکھنے اور سوچنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوئے ہیں، بلکہ سمع سے مراد دوسروں کی فراہم کردہ معلومات حاصل کرنا ہے، بصر سے مراد مشاہدہ کرکے واقفیت بہم پہچانا ہے اور فؤاد سے مراد ان دونوں ذرائع سے حاصل کی ہوئی معلومات کو مرتب کرکے نتائج اخذ کرنا ہے۔ یہی تین چیزیں مل کر وہ علم بنتا ہے جس کی قابلیت انسان کو دی گئی ہے۔ مولانا کے نزدیک علم کے ان تینوں ذرائع سے مسلمانوں نے وہ کام انجام نہیں دیا جس کے لیے ان کو مکلف ٹھہرایا گیا تھا۔ بالآخر اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کو امامت کے منصب سے ہٹا دیا گیا اور ناخدا شناس اہل مغرب اس پر آبیٹھے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

> ''آپ کے ہاں مدت ہائے دراز سے علم کی جو حالت تھی اس میں بصر، فؤاد دونوں معطّل تھے اور سمع کا کام بھی صرف پہلے کی حاصل شدہ معلومات فراہم کرنے تک محدود تھا۔ بہ خلاف اس کے ناخدا شناس یورپ علم کے میدان میں آگے بڑھا۔ اس نے سمع سے بھی مسلمانوں سے بڑھ کر کام لیا اور پھر فؤاد کا کام پچھلی ڈھائی تین صدیوں سے تمام تر اسی نے انجام دیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا اور یہی ہوا کہ وہ امام بن گیا اور مسلمان مقتدی بن کر رہ گئے۔'' ۲۵؎

مولانا مودودیؒ کے مطابق انقلابِ امامت کے لیے انقلابِ تعلیم ناگزیر ہے۔ اس تعلق سے انھوں نے چار چیزوں کا تذکرہ کیا ہے، جن کو بدلنا بےحد ضروری ہے:

(۱) جو نظام تعلیم محض پرانے سمعی علوم تک محدود ہے اس میں یہ قابلیت ہرگز نہیں ہے کہ امامت میں انقلاب پیدا کرنے کے لیے آپ کو تیار کر سکے۔ لٰہذا اس کو بدلنا ہوگا۔

(۲) ناخدا شناس ائمہ کی امامت میں رہ کر خدا پرستی کا مسلک زندہ نہیں رہ سکتا۔ لٰہذا ایمان و اعتقاد کا تقاضا یہ ہے کہ اس امامت کو مٹانے اور خدا شناس امامت کو

دنیا میں قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

(۳) علوم اسلامیہ کے ساتھ نئے علوم کا جوڑ لگایا جائے تو یہ بھی امامت میں انقلاب کرنے کے لیے آپ کو تیار نہیں کرسکتا۔

(۴) جدید تعلیم کے ساتھ دینیات کے کسی کورس کو الگ سے جوڑ دینا پچانوے (۹۵) فی صد بالکل لاحاصل ہے۔۲۶؎

علمی تحقیقات اور نئے محققین کی ضرورت

فکر و فلسفہ اور تعلیم وتعلّم کے میدان میں مسلمانوں کے زوال کا ایک بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ انھوں نے نئی تحقیقات اور اس میں آگے بڑھنے کا کام قریب ترک کر دیا۔ جو کچھ ماضی میں علمی کام ہو چکا تھا صرف اسی کے گیت گاتے رہے۔ اب مسلمانوں کا صرف یہ مشغلہ رہ گیا کہ وہ کتابوں پر حاشیے در حاشیے لکھتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف اہل مغرب نے نئی نئی تحقیقات اور معلومات کے ذرائع و وسائل جمع کرنے شروع کیے، جن کی بنیاد پر انھوں نے نئی فکر اور نیا فلسفۂ حیات گھڑ لیا اور مسلمان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر منتظرِ فردا رہے اور ان کی تقلیدِ محض کرتے رہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں ان کا علمی وزن بے حد کم ہو گیا اور وہ رفتہ رفتہ جمود و تعطّل میں مبتلا ہو گئے۔ مسلمانوں کو مغربی فکر و فلسفہ اور تعلیم کے فاسد عناصر سے بچنے کے لیے نئی علمی تحقیقات کی اشد ضرورت ہے۔ جو قوم دنیا میں نئی نئی معلومات، وسائل و ذرائع اور علوم وفنون کو جمع کرتی ہے وہ دنیا میں لازماً اپنی تہذیب کے ساتھ باقی رہتی ہے۔ علم و تحقیق کی بدولت ہی کسی قوم میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور اسی قوم کو دنیا میں غلبہ اور طاقت حاصل ہوتی ہے جو علم و تحقیق سے چمٹی رہتی ہے۔ اس ضمن میں مولانا فرماتے ہیں:

> ”اب ایک نسأۃ جدیدہ کی ضرورت ہے، کیوں کہ پرانے اسلامی مفکرین و محققین کا سرمایہ اب کام نہیں دے سکتا۔ علم و عمل کے میدان میں وہی رہ نمائی کرسکتا ہے جو دنیا کو آگے کی جانب چلائے، نہ کہ پیچھے کی جانب۔“۲۷؎

مولانا مودودیؒ کے نزدیک مسلمانوں کو زوال و پستی سے نکالنے کی ایک صورت یہ ہے کہ ان میں ایسے مفکر اور محقق پیدا ہوں جو فکر ونظر اور تحقیق و اکتشاف کی قوت سے ان بنیادوں کو ڈھا دیں جن پر مغربی تہذیب کی عمارت قائم ہوئی ہے۔ قرآن کے بتائے ہوئے طریقِ فکر ونظر پر آثار کے مشاہدے اور حقائق کی جستجو سے ایک نئے نظامِ فلسفہ کی بنیاد رکھنے کی ضرورت ہے، جو خالص اسلامی فکر کا نتیجہ ہو۔ ۲۸؎ ان کے بہ قول مفکرین اور محققین کا اصل کام یہ ہے کہ وہ ایک نئی حکمت طبیعی (Natural Science) کی عمارت کی بنا ڈالیں، جو قرآن کے عین مطابق ہو، ملحدانہ نظریہ کو توڑ کر الٰہی نظریہ پر فکر و تحقیق کی اساس قائم کریں اور جدید فکر و تحقیق کی عمارت کو اس قوت کے ساتھ اٹھائیں کہ وہ پوری دنیا پر چھا جائے، تاکہ دنیا میں مغرب کی مادی تہذیب کے بجائے اسلام کی حقانی تہذیب جلوہ گر ہو۔ ۲۹؎

دنیا کی قیادت و رہ نمائی وہی قوم کرتی ہے جو علم و تحقیق اور تفکر و تدبر سے کام لیتی ہے، نیز وہ فکری غلبہ کے ساتھ مادی غلبہ بھی حاصل کرتی ہے۔ جو قوم تحقیق و اکتشاف کی راہ میں کوتاہی اور لاپروائی برتتی ہے، دنیا میں اس کو اس جھاگ سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی جس کو پانی آسانی سے بہا لے جاتا ہے، ذلت و پستی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور وہ دنیا میں در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ مولانا مودودی کے مطابق فکری غلبہ و استیلاء کی بنا دراصل فکر و اجتہاد اور علمی تحقیق پر قائم ہوتی ہے۔ جو قوم اس راہ میں پیش قدمی کرتی ہے وہی دنیا کی امام بن جاتی ہے اور اسی کے افکار دنیا میں چھا جاتے ہیں اور جو قوم اس کام میں پیچھے رہ جاتی ہے اسے مقلّد و متّبع رہنا پڑتا ہے۔ مسلمان جب تک تحقیق و اجتہاد کے میدان میں آگے بڑھتے رہے، دنیا کی قومیں ان کی پیرو رہیں اور اسلامی فکر ساری نوعِ انسانی کی افکار پر غالب رہی۔ ۳۰؎

مولانا مودودی تجدیدِ دین کے لیے تمام علوم و افکار کو اسلامی رنگ میں پیش کرنا انتہائی ضروری سمجھتے تھے۔ اس کام کے لیے وہ ایک ہمہ گیر اسلامی تحریک کی ضرورت محسوس کرتے تھے، جو یہ عظیم کارِ خیر بہ حسن خوبی انجام دے سکے۔ وہ لکھتے ہیں:

"تجدیدِ دین کے لیے صرف علوم دینیہ کا احیاء اور اتباع شریعت کی روح کو تازہ کر دینا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ ایک جامع اور ہمہ گیر اسلامی تحریک کی ضرورت ہے، جو تمام علوم و افکار اور تمام فنون و صناعات پر اپنا اثر پھیلا دے اور تمام امکانی قوتوں سے اسلام کا کام لے"[۳۱]

دینی اور دنیاوی تعلیم میں تفریق

علم ایک اکائی ہے۔ اس کو دو خانوں میں بانٹنا اسلام کے منشا کے خلاف ہے۔ البتہ اسلام نے علم کو نافع اور غیر نافع میں تقسیم کیا ہے۔ قرآن مجید میں علم کے ہر شعبہ کو اللہ کے نام کے ساتھ جوڑنے کی بات کی گئی ہے۔ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت میں علم کو اللہ کے نام کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ (سورۃ العلق: ۱)

پڑھو (اے نبی ﷺ) اپنے رب کے نام کے ساتھ، جس نے پیدا کیا۔

فرد اور سماج میں بگاڑ تب ہی رونما ہوتا ہے جب دین اور دنیا کو ایک دوسرے سے الگ کیا جائے۔ اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ علم کو دینی اور دنیاوی خانوں میں تقسیم کیا جائے۔ مولانا مودودیؒ کے نزدیک یہ تقسیم اسلامی نقطۂ نظر کے بالکل خلاف ہے۔ وہ نہ صرف دین و دنیا یا دین وسیاست میں تفریق کے قائل نہیں، بلکہ دینی و دنیاوی علوم کی تفریق کے بھی سخت مخالف ہیں اور اس تفریق کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ تعلیم کو دو خانوں میں بانٹنے کو امت مسلمہ کے زوال کا اہم سبب تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک نظام تعلیم کی دوئی پسندی نے ہی امت مسلمہ میں فکری اور عملی مسائل پیدا کیے۔ وہ اس پر براہ راست تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"علوم کو دینی اور دنیوی دو الگ الگ قسموں میں منقسم کرنا دراصل دین اور دنیا کی علیٰحدگی کے تصور پر مبنی ہے اور یہ تصور بنیادی طور پر غیر اسلامی ہے۔ اسلام جس چیز کو دین کہتا ہے وہ دنیا سے کوئی الگ چیز نہیں ہے، بلکہ وہ دنیا کو اس نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے کہ یہ اللہ کی سلطنت ہے اور اپنے آپ کو یہ سمجھنا کہ ہم اللہ کی رعیت ہیں اور دنیاوی زندگی میں ہر

طرح سے وہ رویہ اختیار کرنا جو اللہ کی رضا اور اس کی رعیت کے مطابق ہو، اسی چیز کا نام دین ہے۔ اس تصوّرِ دین کا اقتضا یہ ہے کہ تمام دنیاوی علوم کو دینی علوم بنا دیا جائے۔''۳۲؎

مقصدِ تعلیم

تعلیم انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ وہ انسان کے فکر وشعور کو پختہ کرتی اور اس کے مستقبل کا رخ موڑ دیتی ہے ۔ ایک صحت مند اور خداشناس معاشرے کی تعمیر میں تعلیم اہم رول ادا کرتی ہے ۔ اسلامی ریاست میں بھی اس کا اہم مقام ہے، کیوں کہ اس کے ذریعہ بامقصد افراد تیار ہوتے ہیں، جو خلافت کی ذمہ داری بہ حسن وخوبی انجام دیتے ہیں ۔لیکن موجودہ دور میں تعلیم کا مقصد سرمایہ کی خدمت قرار پایا ہے اور اس کو روزگار سے منسلک (Job oriented) کر دیا گیا ہے۔ اب تعلیم کو ہر جگہ پیداواری صلاحیت میں اضافہ کا اہم اور لازمی جز تصور کیا جاتا ہے ۔ مولانا مودودیؒ نے تعلیم کو صحیح سمت (Direction) دی۔ وہ بے مقصد تعلیم سے بے حد نالاں تھے ۔ ایک اسلامیہ اسکول کے جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

''مجھے بہ کثرت ایسے نوجوانوں سے ملنے کا موقع ملتا ہے جو اعلیٰ تعلیم پا رہے ہیں، یا تازہ فارغ ہوئے ہیں۔ میں سب سے پہلے یہ تحقیق کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی زندگی کا کوئی مقصد بھی معیّن کیا ہے یا نہیں ۔مگر میری مایوسی کی انتہا نہیں رہتی جب میں دیکھتا ہوں کہ مشکل سے ہزاروں میں کوئی ایک ایسا ملتا ہے جو اپنے سامنے زندگی کا کوئی مقصد رکھتا ہو، بلکہ بیش تر افراد ایسے ہیں جس کے ذہن میں سرے سے کوئی تصور ہی نہیں ہے کہ زندگی کا کوئی مقصد بھی ہونا چاہئے۔''۳۳؎

۱۹۶۱ء میں مولانا نے نئے تعلیمی نظام کا جو خاکہ پیش کیا تھا اس میں بامقصد تعلیم کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تعلیم دینے والے اور تعلیم پانے والے دونوں کے سامنے واضح مقصدِ زندگی اور منتہائے سعی وعمل ہو، یعنی ان سب کو مسلکِ خدا پرستی کی امامت دنیا میں قائم کرنے کے لیے جہاد کبیر کرنا ہے ۔۔۔۔۔۔ طلبہ کی شخصی زندگی، ان

کے باہمی اجتماعات، ان کے کھیل کود اور تفریحات اور ان کے درسی و تدریسی اور مطالعہ و تحقیق کے تمام مشاغل میں اسی مقصد کی کار فرمائی ہوگی، اسی کے مطابق ان کی سیرت و کردار کی تعمیر کی جائے گی۔ مولانا مودودی دوسروں کا تجویز کردہ نظام تعلیم اختیار کرنے اور اس کے مطابق اپنے نوجوانوں کی تربیت کرنے کو خودکشی کے مترادف قرار دیتے ہیں، کیوں کہ ان کا مقصدِ تعلیم کچھ اور ہے، جس کے مطابق وہ اپنی نئی نسل کو تیار کرتے ہیں۔ مولانا نے تعلیم کے جو مقاصد بیان کیے ہیں ان میں بڑی جامعیت ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''ہمارے پیش نظر تعلیم کا یہ مقصد ہونا چاہئے کہ ہم ایسے افراد تیار کریں جو ہماری قومی تہذیب کو، اور ہماری قومی تہذیب ہمارے دین کے سوا اور کیا ہے، لہٰذا ہمارے دین کو اچھی طرح سمجھتے ہوں، اس پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہوں، اس کے اصولوں کو خوب جانتے ہوں، اس کے مطابق مضبوط سیرت اور قابل اعتماد اخلاق رکھتے ہوں۔'' ۳۴؎

انھوں نے رائج نظام تعلیم پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وہ العلم اور حکمت دونوں سے خالی ہے۔ اس میں انسان کو سبھی کچھ سکھایا جاتا ہے، لیکن اسے العلم اور حکمت نہیں سکھائی جاتی ہے۔ اسی لیے انھوں نے طلبہ اور نوجوانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''آپ کے مدرسوں اور کالجوں میں اس کا انتظام ہو یا نہ ہو، آپ اپنی تعلیم میں سب سے مقدم العلم اور حکمت کو رکھیں۔'' ۳۵؎

بے مقصد زندگی گزارنا بے مقصد نظام تعلیم ہی کا نتیجہ ہے۔ مولانا نے اس پر نقد کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اس نظام تعلیم کو جس کسی نام سے یاد کروں، وہ پندرہ بیس سال کی مسلسل دماغی تربیت کے بعد بھی انسان کو اس قابل نہیں بناتا کہ اپنی قوتوں اور قابلیتوں کا کوئی مصرف اور اپنی کوششوں کا کوئی مقصود متعین کر سکے، بلکہ زندگی کے کسی نصب العین کی ضرورت ہی محسوس کر سکے۔ یہ انسانیت کو بنانے والی تعلیم ہے، یا اس کو قتل کرنے والی؟ بے مقصد زندگی گزارنا حیوانات کا کام ہے۔'' ۳۶؎

حواشی ومراجع

۱۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تنقیحات، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی ۲۰۰۶، ص: ۳۲

۲۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، علمی تحقیقات کیوں اور کس طرح ؟ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ۲۰۱۴ء، ص: ۹۔۱۰

۳۔ تنقیحات، ص: ۱۵

۴۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تعلیمات، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص: ۶۹

5. Wilfrid Cantwell Smith,*Islam In Modern History* ,New York,The New Amarican Library,1957,p:236

6. The Economist , June 2014

7. Fathi Osman," Mawddudi's contribution to the development of modern Islamic thinking in the Arab speaking people",The Muslim World,July-Oct 2003 P.468

8. Roy Jackson, , *Fifty Key Figures in Islam* , Landon And New York ,Routledge, 2006,p:19

۹۔ نعیم صدیقی، تعلیم کا تہذیبی نظریہ، الفیصل اردو بازار لاہور، ۲۰۰۹، ص: ۲۹۹

۱۰۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تعلیمات، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ص: ۶۹

۱۱۔ حوالہ سابق، ص: ۲۲

۱۲۔ پروفیسر خورشید احمد، ادبیات مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ص: ۲۰۲

۱۳۔ تعلیمات، ص: ۵۶

۱۴۔ حوالہ سابق، ص: ۴۵

۱۵۔ علمی تحقیقات۔ کیوں اور کس طرح ؟ ص: ۱۲

۱۶۔ حوالہ سابق، ص: ۱۸

۱۷۔ حوالہ سابق، ص: ۸۷

۱۸۔ تعلیمات، ص: ۸۸

۱۹۔ حوالہ سابق، ص: ۲۰

۲۰۔ حوالہ سابق، ص: ۱۱۷۔ ۱۱۸

۲۱۔ حوالہ سابق، ص: ۱۲۰

۲۲۔ حوالہ سابق، ص: ۶۰

۲۳۔ حوالہ سابق، ص: ۶۷

۲۴۔حوالہ سابق،ص:۵۶
۲۵۔حوالہ سابق،ص:۶۰
۲۶۔حوالہ سابق،ص: ۶۷
۲۷۔حوالہ سابق،ص: ۳۷
۲۸۔ حوالہ سابق،ص:۱۶
۲۹۔حوالہ سابق،ص: ۱۷
۳۰۔ حوالہ سابق،ص: ۳۷
۳۱۔حوالہ سابق
۳۲۔حوالہ سابق،ص:۶۹۔۷۱
۳۳۔حوالہ سابق۔۵۰
۳۴۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی ، اسلامی نظام تعلیم ،مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی ۔ ۲۰۰۷،ص: ۱۴
۳۵۔ثروت صولت،مولانا مودودی کی تقاریر، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور،۱۹۷۶، حصہ سوم،ص ۱۱۳
۳۶۔تعلیمات،ص:۵۰

اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور

مولانا سید جلال الدین عمری

خدمتِ خلق کے موضوع پر یہ ایک شاہ کار تصنیف ہے۔اس میں درج ذیل عناوین پر بڑی عالمانہ اور تحقیقی بحث کی گئی ہے:

خدمت خلق کا صحیح تصور اور غلط تصورات کی تردید،خدمتِ خلق کا اجر و ثواب،خدمت کے مستحقین،خدمت سب کی کی جائے ، وقتی خدمات ،رفاہی خدمات،خدمت کے لیے انفرادی واجتماعی کوششیں،خدمت کے لیے اخلاص کی ضرورت۔موجودہ دور میں خدمت کے تقاضے اوران پر عمل کی شکلیں۔

اس کتاب کا انگریزی،عربی ہندی، ملیالم اور ٹمل زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

صفحات: ۱۵۴ **قیمت:۱۱۰/روپے**

ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی 110025

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ 202002

شیخ محمد علی صابونی اور ان کی تفسیر صفوۃ التفاسیر

——— جناب نور ولی شاہ

عصر حاضر میں اہل سنت و الجماعۃ کے کبارِ اہل علم میں سے ایک شیخ محمد علی الصابونی بھی ہیں۔آپ کی مایہ ناز تفسیر 'صفوۃ التفاسیر' کو ۲۰۰۷ء میں جائزۃ دبئ الدولیۃ للقرآن الکریم سے نوازا گیا ہے۔یہ ایوارڈ آپ کو دینی خدمات کے لیے اور خاص طور پر قرآن کریم کی تفہیم وتشریح کی عظیم خدمت انجام دینے کے صلے میں دیا گیا ہے۔[۱]

حالاتِ زندگی

آپ کا نام محمد علی اور آپ کے والد کا نام جمیل ہے۔آپ کے والد شام کے مشہور شہر حلب کے جلیل القدر علماء میں سے تھے۔محمد علی وہیں یکم جنوری ۱۹۳۰ء کو پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی۔ ابھی آپ مرحلۂ ثانویہ میں تھے کہ قرآن مجید حفظ کرلیا۔ اس کے بعد عربی لغت ،علم الفرائض اور دیگر علوم دینیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر ثانویہ شرعیہ میں داخلہ لیا ،جسے 'خسرویۃ' کہا جاتا ہے۔اس میں آپ نے دینی اور عصری دونوں علوم حاصل کیے۔ چنانچہ ایک طرف آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، فرائض اور دیگر جملہ شرعی علوم حاصل کیے،دوسری طرف کیمسٹری ،فزکس، الجبرا ،حساب، تاریخ ،جغرافیہ اور انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ثانویہ شرعیہ سے ۱۹۴۹ء میں امتیازی نمبروں سے فراغت پائی۔ اس کے بعد وزارۃ الاقاف نے آپ کو سرکاری وظیفہ پر جامعہ ازہر بھیج دیا، جہاں سے آپ نے کلیۃ الشریعۃ کی سند حاصل کی۔ ۱۹۵۴ء میں تخصص کی تکمیل کی۔اس طرح آپ نے جامعہ ازہر سے شہادۃ العالمیۃ فی تخصص

القضاء الشرعی حاصل کی۔اس زمانے کی یہ سند آج کی پی ایچ ڈی کے مساوی تھی، کیوں کہ یہ اس وقت کی سب سے عالی سند تھی۔اس کے بعد آپ واپس شام آئے، جہاں حلب میں ثانوی درجات میں 'اسلامی ثقافت' کے استاد مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۲ء تک آٹھ سال پیشۂ تدریس سے وابستہ رہنے کے بعد شام کی وزارۃ التربیۃ نے آپ کو سعودی عرب میں جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں کلیۃ الشریعۃ والدرسات الاسلامیۃ میں بہ طور مدرس بھیج دیا، جہاں آپ نے اٹھائیس (۲۸) برس تدریسی خدمت انجام دی۔آپ کے علمی و تحقیقی کام کو دیکھ کر جامعہ ام القرایٰ نے آپ کو مرکز البحث العلمی و احیاء التراث الاسلامی میں بہ حیثیت محقق مقرر کردیا۔وہاں آپ نے امام ابوجعفر النحاس (م۳۳۸ھ) کی تفسیر 'معانی القرآن' کے مخطوطے کی تحقیق کی۔ چھ جلدوں میں یہ تفسیر تیار ہوئی اور مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی، جامعۃ ام القریٰ،مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی۔اس کے بعد شیخ صابونی نے کچھ عرصہ تک رابطہ عالم اسلامی کے ادارے 'ھیئۃ الاعجاز العلمی فی القرآن والسنۃ' میں بہ طور مشیر خدمت انجام دی۔

علمی خدمات

شیخ صابونی نے بہت سے علمی و تحقیقی کام انجام دیے۔آپ نے مختلف علوم شرعیہ میں کتابیں تصنیف کیں،جنھیں چار دانگ عالم میں پزیرائی حاصل ہوئی۔آپ کی کتابیں پوری دنیا میں عام ہوئیں۔ کئی کتب کے ترکی، انگریزی، فرانسیسی، ملاوی اور دیگر زبانوں میں ترجمے ہوئے۔

تدریس کے ساتھ آپ مسجد حرام میں روزانہ مسائل کے جوابات دیتے تھے۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں آپ کا ہفتہ وار درسِ قرآن ہوتا تھا۔یہ سلسلہ اسّی (۸۰) برس کی عمر تک جاری رہا۔ اس عرصے میں آپ نے بیس (۲۰) پاروں کی تفسیر بیان کی۔ یہ دروس کیسٹس میں محفوظ ہیں۔آپ نے تفسیر قرآن سے متعلق ٹی وی کے سات سو سے زائد پروگراموں میں شرکت کی۔

اساتذہ

شیخ صابونی کے مشہور اساتذہ میں شیخ محمد نجیب سراج، شیخ محمد سعید الادلبی، شیخ محمد راغب الطباخ اور شیخ محمد نجیب خیاطہ (شیخ القراء) شامل ہیں۔ آپ مختلف شیوخ کے دروس میں شرکت کے لیے مساجد اوران کے گھروں میں حاضری دیتے تھے۔

تصنیفات

آپ کی مشہور تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔صفوۃ التفاسیر (یہ آپ کی سب سے مشہور کتاب ہے۔)

۲۔المواریث في الشریعۃ الاسلامیۃ

۳۔من کنوز السنۃ

۴۔روائع البیان في تفسیر آیات الأحکام

۵۔قبس من نور القرآن الکریم

۶۔موسوعۃ الفقہ الشرعي المیسّر (سلسلۃ التفقّہ في الدین)

۷۔السنۃ النبویۃ قسم من الوحی الالٰھی المنزّل

۸۔الزواج الاسلامي المبکر سعادۃ وحصانۃ

۹۔التفسیر الواضح المیسّر

۱۰۔الھدی النبوي الصحیح في صلاۃ التراویح

۱۱۔ایجاز البیان في سورۃ القرآن

۱۲۔موقف الشریعۃ الغرّاء من نکاح المتعۃ

۱۳۔حرکہ الأرض و دورانھا حقیقۃ علمیۃ أثبتھا القرآن

۱۴۔التبیان فی علوم القرآن

۱۵۔عقیدۃ أھل السنۃ و الجماعۃ

۱۶۔النبوۃ و الأنبیاء

۱۷۔رسالۃ الصلاۃ

۱۸۔ المھدی وأشراط الساعة

۱۹۔ المقتطف من عیون الشعر

۲۰۔ درّة التفاسیر (علی ھامش المصحف)

۲۱۔ جریمة الربا أخطر الجرائم الدینیة والاجتماعیة

۲۲۔ شرح ریاض الصالین

۲۳۔ شبھات وأباطیل حول تعدّد زوجات الرسول

۲۴۔ رسالة فی حکم التصویر

۲۵۔ معانی القرآن (للنحاس)

۲۶۔ المقتطف من عیون التفاسیر (للمنصوری)

۲۷۔ مختصر تفسیر الطبري

۲۸۔ مختصر تفسیر ابن کثیر

۲۹۔ تنویر الأذھان من تفسیر روح البیان (للبروسوی)

۳۰۔ المنتقی المختار من کتاب الأذکار (للنووي)

۳۱۔ فتح الرحمٰن بکشف ما یلتبس في القرآن (للأنصاري)

آپ کی کتاب 'التبیان فی علوم القرآن' وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے عالمیہ سال اول میں داخل نصاب ہے۔

شیخ صابونی کا مقام معاصرین کی نظر میں

شیخ صابونی کے تبحر علمی، وسعتِ فکر اور تحقیقات نے معاصر اہل علم کے دلوں میں جگہ بنالی تھی اور وہ آپ کی خدمات کو قدر و تحسین کی نظر سے دیکھتے تھے۔

جامعہ ازہر کے شیخ ڈاکٹر عبدالحلیم محمودؒ آپ کی وسعت علمی اور تفسیری کام سے کافی متاثر تھے۔ آپ کی مایہ ناز تفسیر 'صفوۃ التفاسیر' پر بہ طور تقریظ انہوں نے لکھا ہے:

> ''اس بات میں شک نہیں کہ مؤلف نے تفسیر کی امہات الکتب سے استفادہ میں پوری بصیرت کا مظاہرہ کیا ہے۔'' (صفوۃ التفاسیر،۱/۵)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے آپ کی تفسیر 'صفوۃ التفاسیر' کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ تفسیر آپ کے مطالعہ کا نچوڑ اور کتبِ تفسیر کا خلاصہ ہے۔ اس پر وہی شخص قادر ہو سکتا ہے جو وسعتِ مطالعہ اور ذوقِ سلیم کے ساتھ فنِ تدریس سے بھی مناسبت رکھتا ہو۔ آپ اس خدمت پر طلبۂ علم اور فنِ تفسیر سے شغف رکھنے والوں کی جانب سے شکریہ کے مستحق ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کو اس کا اچھا بدلہ دے اور اسے قبولیت سے نوازے۔" (صفوۃ التفاسیر، ۱/۷)

آپ کی کتابوں پر بہت سے کبارِ اہل علم کی تقریظات موجود ہیں۔

صفوۃ التفاسیر

صفوۃ التفاسیر آپ کی خدمتِ قرآن کا ایک شاہ کار نمونہ ہے۔ اس تفسیر میں آپ نے قرآنی آیات کی تشریح، اس کے معانی کی توضیح اور اس کے مدلولات کی تنقیح میں تفسیر کی امہات الکتب سے استفادہ کیا ہے۔ آپ نے ائمہ متقدمین کی کتبِ تفسیر اور ائمہ متاخرین کے اقوال سے اس تفسیر کو مرتب کیا ہے۔ اس طرح اس میں جملہ ائمہ تفسیر کے اقوال کا نچوڑ آ گیا ہے۔ آپ کا اسلوبِ بیان بہت سہل ہے۔ آپ کی تحریر سے قاری اکتاتا نہیں۔ آپ کی تفسیری عبارتیں نہایت دل نشیں ہیں۔ آپ فصاحت و بلاغت میں کامل دست رس رکھتے ہیں، جس کی جھلکیاں اس تفسیر میں جا بہ جا نظر آئیں گی۔

شیخ صابونی کو کس چیز نے یہ تفسیر لکھنے پر آمادہ کیا؟ اس کا تذکرہ انھوں نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں جامعیت سے فرمایا ہے۔ آپ نے لکھا ہے:

"دنیاوی مصروفیت اور مشاغل کی وجہ سے اکثر مسلمان ضخیم کتبِ تفسیر کا مطالعہ نہیں کر سکتے۔ اس وجہ سے وہ قرآن مجید کے معانی و مفاہیم کو سمجھنے اور اس کا اعجاز اپنی آنکھوں سے دیکھ پانے سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ راہِ ہدایت کی طرف رہ نمائی کرنے والی اس کتاب سے

استفادہ کرنے اور اس کے ذریعہ اپنے لیے راہِ عمل متعین کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس لیے علماء پر لازم ہے کہ عمدہ اسلوب اور پُراثر اندازِ بیان کے ذریعے قرآن مجید کو عامۃ الناس کے لیے قابل فہم بنانے کی کوشش کریں، جس میں نہ بے جا طوالت ہو اور نہ حد سے زیادہ اختصار۔ ان معیارات پر پوری اترنے والی کوئی تفسیر میری نظر سے نہیں گزری، اس لیے میں نے اس پُرمشقت کام کا بیڑا اٹھایا اور اس کا آغاز کردیا۔ (صفوۃ التفاسیر، ۱/ ۱۴)

اس تفسیر کے نام کے بارے میں شیخ صابونی فرماتے ہیں کہ چوں کہ یہ مختلف ضخیم کتبِ تفسیر کا اختصار اور نچوڑ ہے، اس لیے اس کا نام 'صفوۃ التفاسیر' رکھا۔ (صفوۃ التفاسیر، ۱/ ۱۴)

یہ تفسیر آپ نے پانچ برس میں مکمل کی ہے۔ اس مدت میں آپ نے دن رات محنت کی ہے۔ (صفوۃ التفاسیر، ۱/ ۱۵)

اسلوبِ تفسیر

شیخ صابونی نے اپنی تفسیر میں جن بنیادی خصوصیات کا لحاظ کیا ہے ان میں نمایاں ترین خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

بین یدی السورۃ

ہر سورہ کی ابتدا میں 'بین یدی السورۃ' کے عنوان سے وہ اس سورہ کا اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں اور اس کے اساسی مقاصد کا ذکر کرتے ہیں۔ طویل سورتوں کی ابتدا میں یہ کام آپ نے تفصیل سے اور چھوٹی سورتوں کی ابتدا میں اختصار سے کیا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ النصر کی ابتدا میں انھوں نے لکھا ہے:

"سورۃ النصر مدنی سورۃ ہے۔ اس میں فتح مکہ کا ذکر ہے، جس سے مسلمانوں کو عزت ملی اور اسلام پورے جزیرہ عرب میں پھیل گیا، جس سے کفر وشرک کے قدم اکھڑ گئے۔ اس واضح فتح سے لوگ دین اسلام

میں داخل ہونے لگے، اسلام کا علم بلند ہوا اور بت پرستی سکڑ گئی۔ مکہ فتح ہونے سے قبل اس کی پیشگی خبر دینا آپ ﷺ کی صداقت کے واضح دلائل میں سے ہے۔ (صفوۃ التفاسیر، ۵۸۹/۳)

ربطِ آیات:

شیخ صابونی اس تفسیر میں ربطِ آیات پر زور دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ الاسراء کی درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلاَّ رَجُلاً مَّسْحُوراً انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُواْ لَكَ الأَمْثَالَ فَضَلُّواْ فَلاَ يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلاً وَقَالُواْ أَئِذَا كُنَّا عِظَاماً وَرُفَاتاً أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقاً جَدِيداً قُل كُونُواْ حِجَارَةً أَوْ حَدِيداً أَوْ خَلْقاً مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ (آیات: ۴۷۔۵۱)

ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے شیخ صابونی لکھتے ہیں:

''ماقبل کی آیات میں قرآن مجید کے بارے میں مشرکین کے رویے کا ذکر تھا۔ ان آیات میں حشر ونشر کے بارے میں ان کے شبہات کا ذکر ہے۔ آگے کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہ کی تردید اور تکذیب کی ہے، اس کے بعد وعظ ونصیحت کے لیے آدمؑ اور ابلیس کے واقعہ کا تذکرہ ہے''۔ (صفوۃ التفاسیر، ۱۵۰/۲)

لغوی وصرفی تحقیق اور اشعار سے استشہاد

آپ مشکل الفاظ کی لغوی وصرفی تحقیق بھی کرتے ہیں اور عربی اشعار کو بہ طور نظیر اور شاہد کے پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ المدثر کی آیت نمبر ۱۳ 'فَرَّت مِن قَسوَرَة' میں لفظ 'قسورۃ' کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قسورۃ شیر کو کہتے ہیں۔ یہ قسر سے نکلا ہے جس کے معنیٰ قہر کے ہیں۔ شیر کو قسورۃ اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ وہ درندوں پر قہر کرتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قسورۃ تیر اندازوں کے اس گروہ کو کہتے ہیں جو شکار کرتا ہے۔

ازہری فرماتے ہیں: یہ ایسی جمع ہے جس کی جنس سے اس کا واحد نہیں آتا۔لیکن بعض شعراء کے کلام میں اس کی جمع 'قساور' مذکور ہے۔لبید کا شعر ہے:

اذا ما هتفنا هتفة في ندينا أتانا الرجال الصائدون القساور

جب ہم اپنی مجلس میں آواز دیتے ہیں تو ہمارے پاس شیر کے شکاری جیسے لوگ آجاتے ہیں۔(صفوۃ التفاسیر، ۳/۴۴۹)

اسبابِ نزول

شیخ صابونی اسبابِ نزول بیان کرنے پر خاص توجہ دیتے ہیں، خصوصاً ان آیات کے سلسلے میں جن کا سمجھنا اسبابِ نزول جانے بغیر مشکل ہوتا ہے۔مثال کے طور پر سورۂ آل عمران کی ابتدائی اسّی (۸۰) آیات کی شانِ نزول ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''یہ آیات نجران کے نصاریٰ کے وفد کے بارے میں، جو ساٹھ نفوس پر مشتمل تھا، نازل ہوئی تھیں۔ان میں سے تین ان کے چوٹی کے سردار تھے: ایک عبدالمسیح، جوان کا امیر تھا، دوسرا ایھم، جوان کا مشیر تھا، تیسرا ابو حارثہ بن علقمہ، جوان کا مذہبی پیشوا تھا۔یہ سب آپؐ کے پاس آئے اور بات شروع کی...آپؐ نے ان کے تمام شبہات کے تفصیلی، مدلّل اور مسکت جوابات دیے، جس سے وہ خاموش ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے ابتدائے سورہ سے اسّی (۸۰) آیات تک اسی مناسبت سے نازل کیں۔(صفوۃ التفاسیر، ۱/۱۶۷)

فصاحت و بلاغت

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا معجزانہ کلام ہے۔اس کے اعجاز کی ایک نمایاں جہت یہ ہے کہ یہ فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہے۔آج تک کوئی شخص اس جیسا فصیح و بلیغ کلام پیش نہیں کر سکا۔اس تفسیر میں آیاتِ قرآن کی فصاحت و بلاغت نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔مثال کے طور پر سورۃ الصافات کی مختلف آیات میں فصاحت و

بلاغت کے جو قاعدے استعمال ہوئے ہیں، ان کو شیخ صابونی نے یوں بیان کیا ہے:

(۱) سلوبِ تہکمی: أَذٰلِکَ خَیْرٌ نُزُلاً أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ (الصافات:۶۲)

یہاں پر 'خیر' کا لفظ تھکما اور استھزا ئً استعمال ہوا ہے۔

(۲) جناسِ ناقص: جب دو الفاظ زبان پر لانے میں مشابہ اور یکساں ہوں تو اسے 'جناس' کہتے ہیں۔ جب یہ دو متجانس الفاظ چار چیزوں میں مشابہ ہوں تو جناس تام ہوتا ہے، ورنہ جناس ناقص ۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں: ۱۔ حروف کی نوع، ۲۔ حروف کی تعداد، ۳۔ حرکات وسکنات سے حاصل شدہ ہیئت، ۴۔ معنیٰ کے اختلاف کے ساتھ کامل ترتیب میں ہونا۔

مثال کے طور پر وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِم مُّنذِرِينَ ۔ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ (الصافات: ۷۲۔ ۷۳) میں موجود الفاظ 'مُنذِرین' اور 'مُنذَرین' میں جناسِ ناقص ہے۔ پہلے سے مراد پیغمبر اور دوسرے سے مراد امت ہے۔

ایک آیت ہے: طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُؤُوسُ الشَّيَاطِينِ (الصافات:۶۵) اس آیت میں خوف اور شناعت بیان کرنے کے لیے تشبیہ ذکر ہوئی ہے۔

(۴) استعارہ تبعیہ: إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الصافات: ۸۴) ۔ یہ تعبیر اپنے رب کی طرف متوجہ ہونے کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ جو شخص بادشاہ کے پاس بیش قیمت تحائف لے کر جاتا ہے وہ اس کی رضا حاصل کر لیتا ہے۔

(۵) طباق: طباق دو متقابل لفظوں کو ایک ساتھ ذکر کرنے کو کہتے ہیں، جیسے هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (الحدید:۳) آیت وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ (الصافات: ۱۱۳) میں 'محسن' اور 'ظالم' طباق کی مثال ہے۔ (صفوۃ التفاسیر، ۳/ ۳۷)

فوائد اور لطائف

شیخ صابونی اپنی تفسیر میں جگہ جگہ قیمتی فوائد اور دقیق علمی لطائف ذکر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کرنے کے بعد 'الفواید' کی سرخی

باندھی ہے، جس کے تحت تین فائدے بیان کیے ہیں:

(۱) اللہ اور الٰہ کے درمیان فرق: کہ اللہ ذاتِ باری تعالیٰ کا عَلَم ہے۔ اس کا معنیٰ ہے معبود برحق اور الٰہ معبود کو کہتے ہیں، چاہے برحق ہو یا باطل۔ اس لیے اس کا اطلاق اللہ اور غیر اللہ دونوں پر ہوتا ہے۔

(۲) إِیَّاکَ نَعۡبُدُ وإِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ میں جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، یہ بتانے کے لیے کہ بندہ اپنے آپ کو نہایت حقیر و ذلیل ظاہر کرے کہ میں تن تنہا آپ کی مقدس بارگاہ میں حاضری نہیں دے سکتا، جب تک دیگر موحدین اور مؤمنین کی جماعت میں شامل نہ ہو جاؤں۔

(۳) أَنعَمتَ عَلَیۡهِمۡ میں نعمت کی نسبت اللہ کی طرف ہے، جب کہ آگے غضب اور ضلالت کی نسبت یہود و نصاریٰ کی طرف ہے، حالاں کہ وہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ اہلِ ایمان کو یہ ادب سکھانے کے لیے ہے کہ اللہ کی طرف خیر کی نسبت کرنا اور شر کی نسبت نہ کرنا ادب کا تقاضا ہے۔ (صفوۃ التفاسیر، ۲۱/۱)

صفوۃ التفاسیر پر تنقید

شیخ صابونی کی مایہ ناز تفسیر کو جہاں ایک طرف از حد پزیرائی اور شہرت حاصل ہوئی، وہیں دوسری طرف اس پر خوب نقد بھی کیا گیا۔ آپ کی تصنیفات، خصوصاً آپ کی تفسیر 'صفوۃ التفاسیر' کے رد میں متعدّد کتابیں لکھی گئیں۔ ان کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

(۱) **الردّ علی أخطاء محمد علي الصابوني في کتابه صفوة التفاسیر و مختصر تفسیر ابن جریر۔**

(۲) **مخالفات هامّة في مختصر تفسیر ابن جریر الطبري للشیخ محمد علي الصابوني۔**

(۳) **تنبیهات هامة علیٰ کتاب صفوة التفاسیر۔**

یہ تینوں کتابیں شیخ محمد بن جمیل زینو کی ہیں، جو دار الحدیث الخیریۃ مکہ مکرمہ

میں تفسیر کے استاد ہیں۔اوّل الذکر دونوں کتابیں ۱۴۰۶ھ میں ایک کتاب کی شکل میں شائع ہوئیں۔تیسری کتاب میں کچھ مزید تردیدات کو شامل کیا گیا، جو پہلی دو کتابوں میں موجود نہیں تھی۔ یہ ۱۴۰۷ھ میں طبع ہوئی۔ اس کتاب کے آخر میں دیگر اہل علم کی تردیدات کو بھی جگہ دی گئی ہے۔مثلاً:

(۴) ملاحظات علی کتاب صفوة التفسیر، شیخ سعد ظلام۔اس کا کچھ حصہ مجلۃ منار الاسلام اور کچھ مجلۃ التوحید المصریۃ، رجب ۱۴۰۸ھ میں شائع ہوا تھا۔

(۵) ملاحظات علی صفوة التفاسیر، شیخ عبد اللہ بن عبد الرحمن بن جبرین (رکن ادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد)۔

(۶) ملاحظات عامة علی کتاب صفوة التفاسیر للصابونی، شیخ صالح الفوزان (استاذ جامعۃ الامام محمد بن سعود اور رکن ہیئۃ کبار العلماء)

(۷) تعقیبات و ملاحظات علی کتاب صفوة التفاسیر، شیخ صالح الفوزان۔

شیخ صابونی کی بعض دیگر کتابوں اور تحریروں پر بھی علماء نے نقد کیا ہے۔ان کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

(۸) نقد کتاب المفسّرون بین المقابل و الاثبات في آیات الصفات للصابوني، شیخ محمد بن عبد الرحمن المغراوی۔یہ کتاب دو جلدوں میں ۱۴۰۵ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

(۹) السلسلة الصحیحة للألباني، جزء چہارم کے مقدمہ میں **مختصر تفسیر ابن کثیر للصابونی** پر تعقیبات موجود ہیں۔

(۱۰) السلسلة الضعیفة للألبانی میں بھی شیخ صابونی کی بعض تحریروں پر تعقیبات ہیں۔

(۱۱) ملاحظات علی مختصر تفسیر ابن جریر الطبري، الشیخ اسماعیل الانصاری۔

(۱۲) الأخطار علی المراجع العلمیة لأئمة السلف، شیخ عثمان بن عبد

القادر الصافی الطرابلسی۔ اس کتاب کا اصل عنوان یہ ہے: دراسة تمهيدية تهدف إلى المحافظة على التراث العلمي الاسلامي و التحذير من العبث به، على ضوء وجهة نظر في كتابَى مختصر تفسير ابن كثير و صفوة التفاسير للشيخ على الصابوني۔ یہ ۱۴۰۳ھ میں طبع ہوئی ہے۔

(۱۳) تنبيهات هامة على ما كتبه الشيخ علي الصابوني في صفات الله عزّ و جلّ۔ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز۔

(۱۴) منهج الأَشاعرة في العقيدة: تعقيب على مقالات الصابونی۔ الشیخ سفر الحوالی۔

(۱۵) تعقيبات على مقالات الصابونی، الشیخ ادریس بن محمد علی۔

(۱۶) محرّر خطّي للشيخ محمد بن سعيد القحطاني، رئيس قسم القراءات بجامعة أمّ القرى۔

(۱۷) محضر اتّخذ عليه في مناقشة المشايخ له فيما نشره في مجلة المجتمع، وهو من محفوظات كلية الشريعة بجامعة أُم القرى في ۱۶/۳/۱۴۰۴ھ

(۱۸) نظرات في كتاب النبوة و الأَنبياء للصابوني، الشیخ محمد محمود ابو رحیم۔ یہ کتاب ۱۴۰۶ھ میں طبع ہوئی۔

(۱۹) الردّ على الصابوني فيما سمّاه الهدي النبوي الصحيح في صلاة التراويح، الشیخ محمد بن یوسف العجمی۔ یہ کتاب ۱۴۰۶ھ میں طبع ہوئی۔

(۲۰) الكشف الصريح عن أَغلاط الصابوني في صلاة التراويح، الشیخ علی بن حسن عبدالحمید الحلبی۔

شیخ صابونی پر اعتراضات

شیخ صابونی کے علمی کاموں پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں شیخ بکر بن عبد اللہ

ابوزید نے ان سب کا خلاصہ ایک کتاب 'الردود' میں کر دیا ہے، جو دار العاصمۃ بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ شیخ صابونی پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان میں چند بڑے اعتراضات درج ذیل ہیں:

۱۔ غیر معتبر کتب سے حوالہ

شیخ بکر بن عبداللہ اور جمیل الفوزان نے لکھا ہے کہ شیخ صابونی نے معتبر اور غیر معتبر، ہر طرح کے مصادر سے استفادہ کیا ہے، مثلاً ابن جریر اور ابن کثیر سلفی، رضی اور طبری رافضی، زمخشری معتزلی، رازی اور صاوی اشعری تھے، اسی طرح انھوں نے عصر حاضر میں سید قطب اور شیخ القاسمی وغیرہ سے استفادہ کیا ہے، حالاں کہ ان کی کتب میں جو دجل و فریب ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔

۲۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ استعارات کا اثبات

بعض حضرات نے کہا ہے کہ قرآن مجید انسانیت کی فلاح و بہبود اور رہ نمائی کے لیے آیا ہے، نہ کہ فصاحت و بلاغت کی گھتیاں سلجھانے کے لیے، لیکن شیخ صابونی نے کثرت سے قرآن میں استعارات، تشبیہات و تمثیلات یا بلاغت کی دقیق اصطلاحات، مثلاً طباق، جناس، اشتقاق، اطناب وغیرہ کا اثبات کیا ہے۔

۳۔ ضعیف احادیث کا درجہ بیان نہ کرنا

اسبابِ نزول کے بیان میں شیخ صابونی نے کثرت سے احادیث ذکر کی ہے، مگر ان کا درجہ نہیں بیان کیا ہے، کہ یہ حدیث صحیح ہے یا حسن یا ضعیف؟

۴۔ صفاتِ باری کی تاویل

جن آیات میں صفات باری تعالیٰ کا ذکر ہے، ان کی شیخ صابونی نے تاویل کی ہے، حالاں کہ اسلاف کا یہ طرز نہیں تھا، بلکہ وہ ان آیات کا من وعن ترجمہ کرتے تھے۔

جوابات

شیخ صابونی نے مذکورہ بالا اعتراضات کے مناسب جوابات دیے ہیں۔ انہیں شیخ سلیم الگوثری نے اپنے ایک مضمون میں جمع کر دیا ہے۔ مثلاً شیخ صابونی نے لکھا ہے کہ انھوں نے زمخشری سے بلاغتِ قرآن سے متعلق مواد لیا ہے، ان کی اعتزالی آراء نہیں لی ہیں۔ بلاغت کے اعتبار سے علامہ زمخشری نے جو خدمت کی ہے وہ قرآن کی حقانیت کی ایک واضح دلیل ہے۔ جہاں تک اشاعرہ کی تفاسیر سے استفادہ کی بات ہے، تو شیخ صابونی خود اشعری ہیں اور یہی جمہور اہل علم کا مسلک ہے۔

جہاں تک استعارات اور بلاغت کی دیگر اصطلاحات کا تعلق ہے تو یہ قرآن کی ایک بڑی خاصیت ہے۔ اس کا ہم کیسے انکار کر سکتے ہیں۔

صفاتِ باری کی بہت سے علماء ابتدا سے تاویل کرتے آئے ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ قلم کی آیت ۴۲: یَوۡمَ یُكۡشَفُ عَن سَاقٍ میں لفظ 'ساق' کی تشریح میں علامہ طبریؒ نے صحابہ اور تابعین کے بہت سے اقوال ذکر کیے ہیں۔ ان میں ایک بھی قول ایسا نہیں ہے کہ یہاں 'ساق' سے مراد اللہ کی 'پنڈلی' ہے، بلکہ سب نے اس کو سخت ہولناکی اور شدت پر محمول کیا ہے۔

شیخ صابونی نے اپنی تفسیر میں بعض تسامحات (خصوصاً احادیث کی صحت وضعف کے حوالے سے) کا اعتراف کیا ہے، لیکن اس کی وجہ سے آپ کی تفسیری خدمات کا انکار کرنا یا ان کی قدر و اہمیت کم کرنا کسی بھی طرح قرین انصاف نہیں ہے۔ صفوۃ التفاسیر عربی زبان میں جدید دور کی ایک مایہ ناز تفسیر ہے، جسے عرب و عجم میں بڑی پزیرائی ملی ہے۔ آپ کی یہ تفسیر قرآن مجید کی ایک عظیم خدمت کے زمرے میں آتی ہے۔

☆☆☆

تعارف وتبصرہ

آسان ترجمہ وتفسیر قرآن مجید محمود النساء بیگم

ناشر: محترمہ خیر النساء بیگم، حیدرآباد، ملنے کا پتہ: جامعہ ریاض البنات، حیدرآباد
سنۂ اشاعت: ۲۰۱۷ء، صفحات، جلداول: ۶۸۸، جلددوم: ۹۹۶، قیمت درج نہیں۔

اسلامی علوم اور خاص طور پر قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر کے میدان میں خواتین کی خدمات سے عموماً اہلِ علم کو واقفیت نہیں ہے، حالاں کہ مختلف زبانوں میں خواتین کا کام بڑا قابل قدر ہے۔ عربی زبان میں قرآن مجید کی کئی مکمل تفسیریں ان کے قلم سے نکلی ہیں۔ یہی حال اردو زبان کا بھی ہے کہ اس میں قرآنیات کے مختلف پہلوؤں پر خواتین کی وقیع تصانیف موجود ہیں اور انھوں نے قرآن مجید کی مکمل یا جزئی تفسیریں بھی لکھی ہیں۔ زیرنظر کتاب ترجمہ قرآن وتفسیر حیدرآباد دکن کی ایک خاتون محترمہ محمود النساء بیگم کی علمی کاوش ہے۔

محمود النساء بیگم کی ولادت حیدرآباد دکن (انڈیا) میں ۱۸۹۸ء میں ہوئی۔ ان کے والد سید محمد یوسف الدین گلبرگہ کے صوبے دار تھے۔ ان کا نکاح سترہ (۱۷) برس کی عمر میں ہوا تھا اور تیس (۳۰) برس کی عمر میں وہ بیوہ ہوگئی تھیں۔ وہ لاولد تھیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد انھوں نے خود کو قرآن مجید کی تعلیم کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ لوگ قرآن مجید سمجھ کر پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ اسی مقصد سے انھوں نے مکمل قرآن مجید کا آسان ترجمہ اور مختصر تفسیر تیار کی تھی۔

اس ترجمہ وتفسیر کی اولین طباعت گورنمنٹ پرنٹنگ پریس حیدرآباد سے ۱۹۳۴ء میں ہوئی تھی۔ اس میں عربی متن شامل نہیں تھا۔ ترجمہ کو متن کے انداز پر شائع کیا گیا تھا اور صفحات کے کنارے حواشی نمبر ڈال کر تفسیری فوائد لکھے گئے تھے۔ پہلی طباعت میں اس کا نام 'آسان تفسیر قرآن مجید مع ترجمہ، احکام القرآن بہ اردو' رکھا گیا تھا۔ اب اس کی دوسری طباعت ان کی بھتیجی محترمہ خیر النساء بیگم، جنھیں انھوں نے منھ بولی بیٹی بنا لیا تھا اور اپنے ساتھ رکھ کر ان کی پرورش اور تربیت کی تھی، کی دل چسپی اور

مالی تعاون سے ہوئی تھی۔ مرحومہ کی وفات ۱۹۶۵ء میں ہوئی تھی۔

اس ترجمہ وتفسیر میں خاص طور پر شاہ عبد القادر دہلویؒ کی تفسیر موضح القرآن اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ترجمے اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری حواشی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ موضح القرآن اور تفسیر عثمانی سے بعض عبارتیں کہیں بعینہ اور کہیں کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ لے لی گئی ہیں۔ اردو اور عربی کی دیگر تفاسیر بھی پیش نظر رہی ہیں۔ ترجمہ آسان اور با محاورہ ہے۔ دورانِ ترجمہ جا بجا بین القوسین وضاحت کی گئی ہے۔ حواشی مختصر اور عام فہم ہیں۔

اس ترجمہ وتفسیر کی تحقیق وتعلیق کی خدمت مولانا محمد سراج الہدیٰ ندوی ازہری، استاذ تفسیر وحدیث، دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد نے انجام دی ہے۔ انھوں نے حواشی میں حسبِ ضرورت حوالہ جات کا اہتمام کیا ہے، کہیں کہیں مزید حواشی کا اضافہ کیا ہے اور مفسرہ کے حواشی سے فرق کرنے کے لیے آخر میں بین القوسین اپنی کنیت 'ابو یحییٰ' لکھ دی ہے۔ انھوں نے ہر سورت کی ابتدا میں اس کا مختصر تعارف کرایا ہے، جس میں اس کی فضیلت، مضامین کا بیان اور معانی ومطالب کی وضاحت ہے۔ کہیں کہیں غیر مانوس یا قلیل الاستعمال الفاظ کو بدل دیا ہے۔ اسی طرح قدیم رسم الخط کو رائج رسم الخط میں تبدیل کر دیا ہے۔ عبارت کو مربوط اور بہتر بنانے کے لیے معمولی ترمیم واضافہ سے بھی کام لیا ہے۔ اس تحقیق وتدوین سے کتاب کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ اس خدمت پر مولانا ازہری تحسین وستائش کے مستحق ہیں۔ (محمد رضی الاسلام ندوی)

حدیث نبویؐ اور سائنسی علوم — مولانا عبد الحق ہاشمی

ناشر: اسلامک ریسرچ اکیڈمی۔ ڈی ۳۵، بلاک ۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ ۷۵۹۵۰

صفحات: ۳۲۵، قیمت درج نہیں۔

وحی الٰہی اور سائنس کے درمیان بعض پہلوؤں سے مماثلت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور بعض پہلوؤں سے ان کے مابین اختلاف اور تضاد نظر آتا ہے۔ مماثلت کا

ایک پہلو واضح ہے کہ دونوں حصولِ علم کے معتبر ذرائع ہیں۔ سائنس سے قوانینِ فطرت کی معرفت اور خواصِ اشیاء کی پہچان ہوتی ہے اور یہی فائدہ وحی سے بہ درجۂ اتم حاصل ہوتا ہے۔ سائنس کی رسائی جن حقائق تک تجربات کے طویل سلسلے کے بعد ہوتی ہے، وحی سے وہ یک دم حاصل ہو جاتے ہیں۔ پھر سائنسی تجربہ ومشاہدہ بسا اوقات تغیر، بلکہ تضاد سے دوچار رہتا ہے، جب کہ وحی جس حقیقت کا اعلان کرتی ہے اس میں کسی تغیر یا تبدیلی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ قرآن وحدیث وحی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وحی متلو کہلاتی ہے اور دوسری وحی غیر متلو۔ قرآن وسائنس پر تو دنیا کی مختلف زبانوں میں قابلِ قدر کام ہوا ہے، لیکن حدیث وسائنس پر زیادہ توجہ نہیں دی جا سکی ہے۔ زیرِ نظر کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں سائنسی معلومات کی روشنی میں احادیثِ نبوی کی حکمتیں واضح کی گئی ہیں۔

یہ کتاب سات (۷) ابواب پر مشتمل ہے۔ ابتدائی تین (۳) ابواب انسانی صحت سے متعلق ہیں۔ باب اول میں حفظانِ صحت، باب دوم میں تشخیصِ مرض، دوا سازی اور علاج معالجہ اور باب سوم میں نفسیاتی صحت سے متعلق احادیث پیش کی گئی ہیں اور قدیم وجدید طبی معلومات کی روشنی میں ان کی تشریح کی گئی ہے اور ارشاداتِ رسول کی معنویت اور حکمت ثابت کی گئی ہے۔ باب چہارم کا عنوان 'برقیات' ہے۔ اس میں صوتی وفضائی آلودگی، تابکاری کے اثرات، لاسلکی ذرائع ابلاغ، شعاعوں کا عمل دخل، سمعی و بصری آلات جیسے موضوعات پر احادیث سے رہ نمائی فراہم کی گئی ہے اور سائنسی معلومات کو بہ طور تائید پیش کیا گیا ہے۔ پانچواں باب 'علم الحیوان' پر ہے۔ چھٹے باب میں مختلف مظاہر قدرت کا احاطہ کیا گیا ہے، مثلاً مادۂ تخلیق، قانونِ توارث، ڈی این اے کی خصوصیات، شجرکاری، فنِ تعمیر، زمینی پیداوار، ذرائع سفر، ہوا کے ذریعہ بارآوری، پانی کی کمی کا مسئلہ، وقت کی تنظیم، عام تباہی کے اسلحہ، معدنیات اور صنعت وحرفت وغیرہ۔ ساتواں اور آخری باب 'فلکیات' پر ہے۔ اس میں اجرامِ سماوی اور روئے زمین پر اس کے اثرات سے متعلق احادیث کی سائنسی توجیہات پیش کی گئی ہیں۔

اس کتاب میں مختلف ذیلی عناوین کے تحت دوسوسولہ (۲۱۶) احادیث کی تشریح کی گئی ہے۔ دورانِ تشریح دیگر احادیث کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔ مصنف کا طریقۂ تالیف یہ ہے کہ وہ پہلے حدیث بیان کرتے ہیں اور اس کا ترجمہ اور تشریح وتوضیح کرتے ہیں۔ پھر اس پر وارد ہونے والے اشکالات کا تذکرہ کرکے جدید سائنسی معلومات کی روشنی میں ان کا ازالہ کرتے ہیں۔ اس طرح قاری پر واضح ہوجاتا ہے کہ حدیث میں جو بات کہی گئی ہے وہ جدید ترین سائنسی معلومات کے عین مطابق ہے۔ فاضل مصنف نے شروحِ حدیث، طب کے قدیم وجدید مراجع، سائنسی معلومات کے لیے اردو، عربی اور انگریزی کتب ومجلّات اور انسائیکلوپیڈیاز وغیرہ سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور حسبِ ضرورت جابجا ان کے حوالے دیے ہیں۔

فاضل مصنف کا تعلق کوئٹہ (بلوچستان) سے ہے۔ وہ جماعت اسلامی پاکستان کے ذمہ داروں میں سے ہیں۔ یہ کتاب حدیثِ نبویؐ میں سائنسی استدلال کو واضح کرنے کی ایک ابتدائی لیکن قابلِ قدر کوشش ہے۔ اس موضوع پر تحقیقی انداز سے کام کرنے کی مزید ضرورت ہے۔ امید ہے اس کتاب کو علمی ودینی حلقوں میں قبولِ عام حاصل ہوگا۔

(محمد رضی الاسلام ندوی)

اسلامی منہاجیات: ادب، تعبیر، تحقیق ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

ناشر: پبلی کیشن ڈویژن، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۱۷، صفحات: ۲۱۴، قیمت:

زیر نظر کتاب 'اسلامی منہاجیات: ادب، تعبیر، تحقیق' تین حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ چند ضمنی عنوانات بھی ہیں۔ پہلا حصہ 'ادب وصحافت' کے عنوان سے ہے۔ اس میں مصنف نے تین ذیلی عنوانات قائم کیے ہیں۔ پہلا عنوان ہے: 'خلیل احمد حامدی کے سفر نامے'۔ علمی دنیا میں خلیل حامدی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ ان کے علمی کارناموں کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ مصنف نے ان کے سفر ناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی اہمیت سلامی احیاء واصلاح پسندی کی علم

بردار تحریکات اور تنظیموں اور عالم اسلام کی مقتدر شخصیات کے تعارف و تجزیہ کے اعتبار سے تو مسلّم ہے ہی، مگر ادبیت، اعلیٰ اسلوبِ نگارش، برجستگی اور قوتِ مشاہدہ نے ان سفر ناموں کو مذہبی نوعیت کے ساتھ خالص ادبی بنا دیا ہے۔ حامدی صاحب نے مسلم ممالک سے لے کر مشرقِ وسطیٰ اور افریقی ممالک کے ساتھ یورپ کا بھی سفر کیا۔ اپنے اسفار کی رودادوں کو انہوں نے ہفت روزہ ایشیا لاہور میں شائع کرایا۔ بعد میں وہ کتابی صورت میں بھی شائع ہوئے۔ ان کے سفر نامے 'آفاق دعوت'، 'تحریکی سفر کی دستان'، 'حج: تیاری سے واپسی تک' معروف ہیں۔ مصنف نے مولانا کے ان سفر ناموں کا تفصیل سے تجزیہ کیا ہے۔ پہلے حصے کا دوسرا مضمون 'تابش مہدی کے کلام میں کردار سازی' کے عنوان سے ہے۔ تابش مہدی موجودہ عہد کے ایک مقبول شاعر ہیں۔ نعت گوئی میں ان کا ایک مقام ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک اچھے نثر نگار بھی ہیں۔ مصنف نے ان کے علمی و ادبی نظریات پر گفتگو کی ہے، پھر ان کی غزلیہ شاعری پر روشنی ڈالی ہے، بالخصوص ان کے پہلے مجموعہ کلام 'تعبیر' میں شامل غزلوں کا تجزیہ کیا ہے۔ تیسرا مضمون 'بچوں کا ادب اور اسلام' کے عنوان سے ہے۔ مصنف کا خیال ہے کہ بچوں تک مثبت، تعمیری اور صحت مند اقدارِ حیات کو پہنچانے اور ان کی ذہنی سطح کے لحاظ سے انہیں مخاطب کرنے کی ذمہ داری محض مدارس اور معلمین کی نہیں، بلکہ والدین، رشتے داروں اور معاشرہ کو بھی اس ضمن میں توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ملک و بیرون ملک کے کئی سرکاری وغیر سرکاری اداروں نے کوشش کی ہے، کئی نصاب تیار کیے گئے، تحقیقی کام بھی ہوئے ہیں۔ مصنف نے خاص طور پر دعوۃ اکیڈمی (پاکستان) کا ذکر کیا ہے۔ یہ ادارہ کافی متحرک ہے اور بچوں کے نصاب کی تیاری کے لیے مختلف سمینار، ورکشاپ اور تربیتی پروگرام کا انعقاد بھی کرتا ہے۔ مصنف نے اس ادارے کے زیر اہتمام شائع ہونے والی بعض کتابوں کا جائزہ پیش کیا ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ 'منہج و اصول' پر ہے۔ اس حصے کو مصنف نے کئی ضمنی

عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔ ایک مضمون 'بھگوت گیتا اور اسلامی آثار' کے نام سے ہے۔بھگوت گیتا ہندو عقائد کی ایک اہم کتاب ہے۔ یہ بنیادی طور پر سنسکرت میں ہے، مگر اس کے تراجم مختلف زبانوں میں ہوئے۔ شیخ عبد الرحمن چشتیؒ نے اس کا ترجمہ سنسکرت سے فارسی زبان میں 'مرآۃ الحقایق' کے نام سے کیا ہے۔مصنف کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب مخطوطہ کی شکل میں مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ میں محفوظ ہے۔دراصل یہ تلخیص ہے، جو بقول مصنف ۲۴ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس ترجمے کے تعلق سے مصنف نے لکھا ہے کہ شیخ چشتی نے شری کرشن اور ویر ارجن کے درمیان ہونے والے مکالموں کا سراغ اسلامی آثار و تعلیمات میں لگانے کی کوشش کی ہے، یعنی انھوں نے قرآن و حدیث اور صوفیہ کے اقوال کی روشنی میں ان دو مذاہب کے درمیان مشترکہ تعلیمات اور وحدت الوجود کے اسرار کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

کتاب کا آخری حصہ 'تعلیمی تناظر' کے عنوان سے ہے۔اس میں دو مضامین ہیں۔ پہلے مضمون بہ عنوان 'مغرب کا نظریۂ تعلیم' میں تفصیل کے ساتھ مغربی نظریۂ تعلیم اور اسلامی تعلیم و تحقیق پر گفتگو کی گئی ہے۔مصنف نے نشأۃ ثانیہ کی تحریک، پیسٹا لوزی کے نظریات، تجربی طریقِ تعلیم، فریڈرک فروبل، کھیل اور تفریح کی اہمیت کے علاوہ جرمن مفکرین اور اقبال کی تنقیدِ تعلیم کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ دوسرے مضمون بہ عنوان 'تعلیم و تحقیق اور اسلام' میں مصنف نے احیائے سلام کا دور، تعلیم کا کردار، عصر جدید کا چیلنج، تنقید و اجتہاد، مقصدیت اور قربانی اور تسخیر کائنات کی تیاری جیسے عنوانات قائم کرکے اسلام میں تعلیم کی اہمیت اور اسلامی نظریۂ تعلیم پر اپنے خیالات پیش کیے ہیں۔

مجموعی طور پر یہ کتاب ادب، تعبیر، تحقیق کے مختلف پہلوؤں پر عمدہ اور تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے۔

(نوشاد منظر)

خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (٦٨)

☆صدرِ ادارہ وامیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری کی نئ تصنیف 'سبیل رب' (دعوت الیٰ اللہ کا راستہ) مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے منظر عام پر آئی ہے۔ اس میں سورۂ النحل، آیت ۱۲۵ کی روشنی میں دعوت کے لیے حکمت، موعظۂ حسنہ اور جدالِ احسن کی بہت مؤثر اور دل نشیں تشریح کی گئی ہے۔ صفحات: ۴۸، قیمت۔/ ۴۵ روپے

☆مولانا عمری نے امسال عید الفطر (۱۴۳۹ھ۔ ۱۶/جون ۲۰۱۸ء) کے موقع پر جو خطبہ مرکز جماعت کی مسجد اشاعتِ اسلام میں دیا تھا اس کا موضوع 'انابت الیٰ اللہ تھا۔ اس میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنے اور اپنے مسائل میں اسی سے نصرت طلب کرنے کی تلقین کی گئی تھی۔ اس میں عید ملن کے موقع پر کی گئی مولانا کی تقریر کو شامل کرکے مرکزی مکتبہ نے کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے۔ صفحات: ۱۶، قیمت: ۲۵/روپے

☆گزشتہ برس جماعت اسلامی ہند کی کل ہند مسلم پرسنل لا بیداری مہم کے موقع پر سکریٹری ادارہ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کی تیار کردہ کتاب اردو زبان میں شائع کی گئی تھی اور مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ کرواکے بڑے پیمانے پر اس کی تقسیم عمل میں آئی تھی۔ اب مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نے دوبارہ اسے اردو اور انگریزی میں طبع کر دیا ہے۔ عائلی زندگی کے اسلامی اصول: اخلاقی اور قانونی پہلو، صفحات: ۴۰، قیمت: ۳۰/ روپے، Muslim Personal Law : Moral and Legal Issues صفحات: ۵۲، قیمت: ۳۵روپے

☆رکنِ ادارہ مولانا کمال اختر قاسمی کی نئ تصنیف 'اسلامی معاشرہ کی خصوصیات' مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئ دہلی سے طبع ہوئی ہے۔ اس میں مغربی معاشرہ اور ہندو سماج کا تقابل کرتے ہوئے اسلام کی معاشرتی اور عائلی تعلیمات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ صفحات: ۲۰۸، قیمت۔/ ۱۵۵ روپے

☆ادارہ کے توسیعی خطبات پروگرام کے تحت ۱۳/مئی ۲۰۱۸ء کو ادارہ کے کانفرنس ہال میں پروفیسر محمد یوسف امین (شعبۂ علم الادویہ، اجمل خاں طبیہ کالج، مسلم یونی ورسٹی) نے 'مغربی جدیدیت اور انسانی تہذیب میں اس کا مقام' کے عنوان سے خطبہ پیش کیا۔ پروفیسر احتشام احمد ندوی، سابق ڈین آرٹس فیکلٹی، کالی کٹ یونی ورسٹی کیرلا نے اجلاس کی صدارت کی۔

☆ ترکی کے موجودہ حالات پر ۴؍مئی ۲۰۱۸ کو جماعت اسلامی ہند، اے ایم یو ایریا کے اشتراک سے ادارہ میں ایک مجلسِ مذاکرہ بہ عنوان 'ترکی کا سیاسی منظر نامہ اور تحریکاتِ اسلامی' کا انعقاد کیا گیا، جس میں پروفیسر عبید اللہ فہد فلاحی، چیرمین شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونی ورسٹی، پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی، سابق ڈین، شعبۂ سنّی تھیالوجی، مسلم یونی ورسٹی اور ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی، مہتمم مدرستہ العلوم الاسلامیۃ علی گڑھ نے خطاب کیا۔ پروفیسر کفیل احمد قاسمی، سابق چیرمین شعبۂ عربی مسلم یونی ورسٹی نے پروگرام کی صدارت فرمائی۔ اس میں ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے ڈاکٹر طارق ایوبی کی عربی سے ترجمہ کردہ کتاب 'رجب طیب اردوغان' پر مبسوط تبصرہ کیا۔

☆ ادارہ کے زیر تربیت طلبہ کی انجمن 'رائٹرس فورم' کے پروگرام مسلسل جاری ہیں۔ ایک پروگرام ۱۴؍اپریل ۲۰۱۸ء کو پروفیسر مفتی محمد زاہد، شعبۂ سنّی دینیات، مسلم یونی ورسٹی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس میں ادارہ کے اسکالر محمد شعیب ندوی نے 'عورت کا منصبِ امامت: ایک جائزہ' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ دوسرا پروگرام ۱۰؍مئی ۲۰۱۸ء کو مولانا رفیق احمد رئیس سلفی، انچارج لائبریری، پروفیسر خلیق احمد نظامی سینٹر آف قرآنک اسٹڈیز، مسلم یونی ورسٹی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس میں جناب ابوسعد، ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے 'قرآن کریم کا مطلوبہ انسان' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔

☆۲۱۔۲۲؍اپریل ۲۰۱۸ء کو انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز کے زیر اہتمام، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے اشتراک سے دو روزہ کانفرنس اسماعیل راجی فاروقی کی حیات و خدمات پر منعقد ہوئی۔ اس میں جناب مجتبیٰ فاروق، رکنِ ادارہ نے شرکت کی اور 'اسماعیل فاروقی کا تصوّرِ علم و تعلیم' کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔

☆۲۹۔۳۰؍جون ۲۰۱۸ء کو انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی کے زیر اہتمام 'ترجمہ کا فن: مسائل اور امکانات' کے موضوع پر ایک دو روزہ ورک شاپ منعقد ہوئی۔ اس میں ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کو ریسورس پرسن کی حیثیت سے مدعو کیا گیا۔ انھوں نے 'علمی و تحقیقی تحریروں کا ترجمہ اور اس کے تقاضے' کے عنوان سے ایک لیکچر دیا۔

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 37 No.3

July - September 2018

Editor

Syed Jalaluddin Omari

Asstt. Editor

Muhammad Raziul Islam Nadvi

Nabi Nagar (Jamalpur), P.O. Box: 93
ALIGARH - 202 002 (INDIA)
www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **Muslim Ulama - Inheritors of Prophets**

Syed Jalaluddin Umari 5

2. **Islamic Commandments vis-à-vis Sacrifice of Animals** 13

Dr. Syed Bacha Agha

3. **Islam and Protection of Environment** 29

Maulana Waliullah Majeed Qasmi

4. **Women's Contribution to Islamic Disciplines** 49

Dr. Muhammad Raziul Islam Nadvi

5. **Maulana Maududi and Islamisation of Knowledge** 73

Mr.Mujtaba Farooq (MA)

6. **Shaikh Muhammad Ali Sabuni and His Exegesis**

Safwat al-Tafaseer 99

Mr.Noor Wali Shah

7. **Book Reviews** 113

Activities of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami 119

Abstract of the Articles

Muslim Ulama - Inheritors of Prophets

Syed Jalaluddin Umari

President Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

& Amir Jamaat-e-Islami Hind

Maulana Syed Jalaluddin Umari paid a visit to Trivandrum, Kerala, in the first week of May 2018. Besides participating in the various programmes of Jamaat over there , he participated in the Ulama Conference held in Kollam on May 6. Hundreds of Ulama belonging to different schools of thought participated therein. The views expressed by the Maulana in that programme have been presented here in this article.

The Maulana said that Allah the Exalted sent Prophets and revealed Books for the guidance of mankind. The Prophets performed the obligation of Dawat-e-Haque. Later their inheritors carried on this obligation. The Ulama of Muslim Ummah are also Inheritors of Prophets. They too have to do the obligation of leading the world. One of the responsibilities of Prophets was to explain and elucidate the Book of Allah. The Ulama too have to perform this very obligation. Today objections are being raised on the various aspects of Islam. To explain and elucidate Islamic viewpoints on these objections is the responsibility of Ulama. Jamaat-e-Islami Hind has prepared considerable literature on modern subjects; people may be benefited from it.

Islamic Commandments vis-à-vis Sacrifice of Animals

Dr. Syed Bacha Agha
Asst. Professor Government Degree College,
Sariab Road, Quetta, Balochistan, Pakistan
agha211179@gmail.com

Food and drink affect our health, growth and state of mind. Islam has given regulations on food and drink. It aims at establishing a healthy moral society. It allows all wholesome and pure things to be taken as food and drink. Islam also teaches respect and consideration for the life and welfare of animals. It is one of the many favours of Allah that He has created animals for mankind. He permits us to slaughter permitted animals provided we slaughter them in the way He has commanded. Islamic law requires an animal to be slaughtered with a sharp knife penetrating the inner part of animal's neck, ensuring it dies quickly and allowing the maximum drainage of blood. The name of Allah must be mentioned at the time of the slaughter. This article explains in depth Islamic commandments vis-a-vis sacrifice of animals as well as other regulations on Food and Drink.

Islam and Protection of Environment

Maulana Waliullah Majeed Quasmi
Teacher of Hadith Jamiatul Falah, Bilariaganj, Azamgarh
wmquasmi@gmail.com

Allah the Exalted has established fairness and balance in the entire universe and has enjoined man to maintain it and

not to create chaos on earth. One of the bounties of Allah is water. This is one of the fundamental necessities of man. This is why man is enjoined to protect water reservoirs, and prohibited from its wastage and contamination. Likewise, air is also one of the bounties of Allah the Exalted. But for it the concept of life cannot be imagined. Therefore, such activities which can cause air pollution and make life difficult have been prohibited. For example, it is enjoined that if a man fires a forge or furnace, he should not cause any harm to others with its smoke.

This article makes it clear that Islam has laid much emphasis on protection of environment and declared all such activities as can pollute environment. This issue of Tahqeeqat-e-Islami carries only the first part of the article.

Women's Contribution to Islamic Disciplines

Dr. Muhammad Raziul Islam Nadvi

Secretary, Tasneefi Academy, Jamaat-e-Islami Hind

mrnadvi@gmail.com

There is a common misconception about Islam that it does not allow women to perform academic and practical activities. While the fact remains that Islam has granted them a place of honour and dignity, established their rights and duties and granted them freedom to receive knowledge and disseminate it. A study of Islamic history reveals that women have patronised knowledge and learning. In the earlier Hijri centuries, Sahabiyat and Tabaiyat played a very important role in the narration of Prophet's traditions. Women used to hold their circles in mosques, where they delivered Dars. Great Muhaddithin and Fuqaha have received education from women of their times. There are many examples in Islamic

history which go on to prove that the role of women in understanding the Qur'an and Sunnah and disseminating Islamic knowledge has been greater than that of men. Women have also rendered their services in producing works on the various branches of Islamic knowledge. In the present age too, women are rendering important academic services to Qur'anic exegesis, Hadith literature, Islamic jurisprudence, Seerah and other fields. Modern universities have also played an important role in their academic advancement. There is however need for the introduction of their academic works, undertaking research thereon and highlighting them.

This article introduces the services women have rendered to the various branches of Islamic knowledge, and mentioned the women who have achieved distinguished positions therein.

Maulana Maududi and Islamisation of Knowledge

Mr.Mujtaba Farooq (MA)

Member Idara -e-Tahqeeq-o- Tasneef-e-slami Aligarh

mujtabafar@gmail.com

Maulana Syed Abul A'la Maududi (1903-1979) was a great Islamic thinker of the 20th century. He presented the Islamic thought in Islamic perspective and reckoned Islam practicable in all spheres of life. He deemed it pretty necessary to analyse modern branches of knowledge and learning, especially social branches, in Islamic perspective, sifting them from false ideologies and Islamising them. He critically examined the prevalent system of education and pointed out its demerits. He declared the syllabi in vogue in modern colleges and Islamic seminaries as erroneous and

meaningless and opined that they lack the potentiality to prepare the new Muslim generation for leadership of the world. He said that it is not correct to adopt verbatim western arts and branches of knowledge and learning, but rather to review them so that their useful parts are adopted and useless ones kept out. He underlined the need for breaking the sway of western thought and philosophy, compiling them afresh and putting the sifted material into textbooks. He also presented an action plan for new education system. Universities have been established on this action plan of the Maulana in different countries. Maulana Maududi opposed the differentiation of education between Islamic and modern and divided education into its being beneficial and detrimental. He said that in the modern age the purpose of education is said to be service to wealth while it should be establishment of a healthy God-conscious society.

This article throws ample light on these aspects of Maulana Maududi's works and discusses his views on Islamisation of knowledge.

Shaikh Muhammad Ali Sabuni and His Exegesis Safwat al-Tafaseer

Mr.Noor Wali Shah

Professor Jamiatur Rasheed, Karachi, Pakistan

noorwalishahbanuri@gmail.com

The Qur'an is the last Book of Allah the Almighty given to mankind. It guides us to the right and straight path leading to the Paradise. To explore the intent and meaning of the ayahs several exegeses have been written till date. One of them is Safwat al-Tafaseer. The author, Muhammad Ali Shah Sabuni is still alive.

In this exegesis we find easy description with background in brief of the revelations and miracles of the

Qur'an. This exegesis is also marked by eloquence of expression. These features have given the exegesis wide publicity among the scholars. However there is no dearth of his critics.

This article analyses this exegesis and critically examines the objections raised thereto.

BOOK REVIEWS

1. *Asan Tarjama wa Tafseer Quran Majeed (Easy Traslation and Exegesis of Quran Majeed)* Mahmud al-Nisa Begum , Published by Khairunnisa Begum , Hyderabad , 2017,Vol:1pages:688,Vol.2 pages 996 ; Price: not mentioned
Reviewed by Muhammad Raziul Islam Nadvi

2. *Hadithe Nabwi aur Scinci Uloom (Prophet's Hadiths and Modern Science)* Maulana Abdul haque Hashmi Islamic Research Academy , Karachi;Pages: 325; Price:not mentioned
Reviewed by Muhammad Raziul Islam Nadvi

3. *Islami Minhajiyat: Adab,Tabeer,tahqeeq (Islamic methodalogy: Literature,Interpretation,Research)* Prof.Obaidullah fahd falahi ,Publication Division, Aligarh Muslim University Aligarh; Pages: 214; Price:
Reviewed by Mr.Naushad Manzar

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی

اہم مطبوعات

معرکۂ اسلام وجاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	110.00
اسلام۔ایک نجات دہندہ تحریک	مولانا سلطان احمد اصلاحی	90.00
عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	125.00
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	80.00
اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	140.00
قرآن، اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	70.00
گھریلو تشدد اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	30.00
حقائق اسلام۔بعض اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	56.00
حضرت ابراہیم۔امام انسانیت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	85.00
ہم جنسیت کا فتنہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	28.00
احیائے اسلام: مفہوم۔مسایل، تقاضے	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
قرآن مجید اور مستشرقین	مولانا محمد جرجیس کریمی	72.00
اتحادِ امت کا مسئلہ: چند اہم گوشے	مولانا محمد جرجیس کریمی	34.00
اسلام کی امتیازی خصوصیات	مولانا محمد جرجیس کریمی	100.00
سیرتِ نبوی پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی	130.00
ملت اسلامیہ کے اختلافات	مولانا ضمیر الحسن فلاحی	65.00
قیام امن اور اسلام	مولانا کمال اختر قاسمی	100.00

ملنے کے پتے:

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی
نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
D-307، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

R.No. 38933/81

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. +91-8881854504
+91-9897746586

July 2018

September 2018

مولانا سید جلال الدین عمری کی مطبوعات

شمار	نام کتاب	قیمت	شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیاتِ قرآن	۳۲۵/	۲۲	اوراقِ سیرت	۲۵۰/
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	۹۰/	۲۳	خطباتِ پاکستان	۱۰۰/
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۲۵/	۲۴	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	۵۲/
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۵۰/	۲۵	انسان اور اس کے مسائل	۴۰/
۵	صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	۲۵۰/	۲۶	اسلام اور مشکلات حیات	۲۵/
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	۱۴۰/	۲۷	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	۱۴/
۷	معروف و منکر	۱۸۵/	۲۸	اسلام اور وحدت بنی آدم	۱۶/
۸	اسلام کی دعوت	۲۰۰/	۲۹	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۱۱۰/
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۸۵/	۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	۳۵/
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/	۳۱	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	۱۶/
۱۱	تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں	۶۵/	۳۲	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	۱۶/
۱۲	عورت-اسلامی معاشرے میں	۱۸۰/	۳۳	جماعت اسلامی ہند-پس منظر، خدمات اور طریقۂ کار	۳۵/
۱۳	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	۱۰۰/	۳۴	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۱۵/
۱۴	عورت اور اسلام	۶۰/	۳۵	ملک وملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۲/
۱۵	اسلام کا عائلی نظام	۹۰/	۳۶	یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟	۲۰/
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۳۵/	۳۷	بچے اور اسلام	۱۰/
۱۷	قرآن کا نظام خاندان	۲۲/	۳۸	خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت	۲۰/
۱۸	اسلام-ایک دینِ دعوت	۱۰/	۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	۱۵/
۱۹	دعوت و تربیت-اسلام کا نقطۂ نظر	۵۵/	۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۸/
۲۰	راہیں کھلتی ہیں	۱۴۰/	۴۱	سوئے حرم چلا	۳۲/
۲۱	قرآن مجید کا تصور تزکیہ	۱۸/	۴۲	دینی علوم کی تدریس	۱۴/

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲
۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵